بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

مسلسل اشاعت کے پینتالیس سال

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

535

جمادی الاول ۱۴۳۱ھ

مارچ 2010

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد للہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک و بیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کے لئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: یو بی ایل اکوڑہ خٹک 7 -100-0001

نیشنل بینک اکوڑہ خٹک 17 - 5 ☆ مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1120

Email: editor_alhaq@yahoo.com

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ---- 45
شمارہ نمبر ---- 06
جمادی الاول --- ۱۴۳۱ھ
مارچ ------- ۲۰۱۰ء

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: علماء دیوبند کا اجتماع لاہور اور مولانا سمیع الحق کا جرأ تمندانہ خطاب۔

اٹھارویں آئینی ترمیم اور ملک و ملت کا مقدر؟ داعی قرآن اور مرد قلندر ۲

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رحلت .... مدیر ۶

عہد طالب علمی کے علمی منتخبات .... حضرت مولانا سمیع الحق صاحب ۹

اخلاق حسنہ اور حیاء کا تلازم .... حضرت مولانا انوار الحق صاحب ۱۲

ہری ہوگئی کھیتی ساری خدا کی .... حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ۲۰

ڈاکٹر حمید اللہؒ اور معاصر شخصیات .... پروفیسر محمد یونس میؤ ۲۷

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں مداومت .... مولانا عبد الستار صاحب الاعظمی ۴۱

قائد جمعیت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا دورہ جنوبی اضلاع .... مولانا سید محمد یوسف شاہ ۴۳

حضرت مولانا امام شاہ فضل رحمان صدیقیؒ .... مولانا عدیل قاسمی مصطفائی ۴۷

علامہ اقبالؒ کا پیغام امت مسلمہ کے نام .... مولانا محمد ابراہیم فانی ۵۰

خودساختہ امن کا محافظ ہی۔ اصل دہشت گرد .... جناب ریحان اختر ۵۴

رحم مادر کو کرایہ پر دینے کا حکم شرعی .... (سروگیٹ پریگنسی) .... مولانا مفتی محمد جعفر رحمانی ۵۸

دارالعلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۱

تعارف تبصرہ کتب .... ادارہ ۶۳

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان۔ فون نمبر (0923)630340-630435
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com Fax(0923)630922
سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250، بیرون ملک 25$ امریکی ڈالر
ناشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش آغاز

علماء دیوبند کا اجتماع لاہور اور مولانا سمیع الحق کا جرأتمندانہ خطاب

پل صراط پر چلنے سے زیادہ نازک صورتحال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۵۔۱۶ اپریل کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں علماء دیوبند کا ایک اہم اجتماع ہوا جس میں مسلک دیوبند سے وابستہ مختلف تنظیموں جماعتوں اور اداروں کے تمام سرکردہ اکابر شریک ہوئے اس سے قبل ۱۳۔۱۴ اپریل کو چند اہم اکابر کی مشاورت بھی جاری رہی' موضوع ملک کو درپیش صورتحال' بیرونی طاقتوں کا عمل دخل' قبائل کی مزاحمتی سرگرمیاں اور ملک کے اہم شہروں میں دہشت گردی کے واقعات پر اجتماعی رائے کا اظہار تھا۔ اجتماع عام کی پہلی نشست میں جمعیۃ العلماء اسلام (س) کے سربراہ اور دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق نے ذیل کا مختصر خطاب فرمایا اور حاضرین کو اس صورتحال کی حساسیت اور نزاکتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ہمیں پل صراط سے زیادہ نازک راستہ سے گزر کر دیوبند کے مسلک اعتدال اور توازن کے ساتھ ساتھ عزیمت وحمیت کے روایات کو بھی نباہنا ہوگا۔ اس حکیمانہ خطاب کے اثرات نمایاں طور پر اجتماع اور جاری شدہ اعلامیہ میں محسوس کئے گئے۔ (ادارہ)

(خطبہ مسنونہ) قوم زعماء ملت اور اکابرین کرام!

اجلاس کی غرض وغایت تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکی ہے اور ہمیں ایسی صورتحال کا سامنا ہے جس کی مثال ہمیں ماضی میں بہت مشکل ہی سے ملے گی۔ بالخصوص علماء اور مسلک دیوبند کو' جو بہت ہی نازک اور حساس ہے' اور دودھاری تلوار کی مانند ہے گویا ہم چکی کے دو پاٹوں میں پھنس گئے ہیں اور ہمیں ایک پل صراط عبور کرنا ہے۔ اس لئے ہمیں بہت احتیاط سے ان حالات پر غور کرنا ہوگا۔ ایک عالمی استعماری طاقت ہم پر مسلط ہوگئی ہے۔ جس نے پہلے خاص طور پر افغانستان کو تہس نہس کر دیا' پھر وہ ہمارے دروازے توڑ کر اندر داخل ہوگئی ہے اور اس نے قتل وغارتگری' تباہی اور بربادی کا بازار گرم کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کی آزادی غیر اعلانیہ طور پر ہم سے چھین چکی ہے۔ جس کیلئے ہمارے ہی اکابر ڈیڑھ سو برس اور دو سو برس مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ جس کیلئے شاملی اور پانی پت کے میدان لگائے گئے جس کیلئے مالٹا اور دیگر جزیروں کو آباد کیا گیا۔ اب یہ سب کچھ ختم کرنے کیلئے دشمن ہمارے گھروں میں گھس آیا اور اس کا

ٹارگٹ بھی ہماری فوج' ہمارے حکمران' ہماری ایجنسیاں' ہمارے ادارے اور یونیورسٹیاں کالجز نہیں ہے بلکہ اس کا ٹارگٹ صرف اور صرف آپ (دینی مدارس' علماء طلباء جہادی عناصر اور تحریکیں) ہیں۔ مجھ سے قبل ہمارے ایک قابل احترام دوست نے کہا کہ عالمی طاقتیں اور دنیا ہمیں تنہا کئے جارہی ہے' مگر ہم تو اس وقت بھی تنہا تھے جب ہندوستان میں انگریز آیا اور ہم پر قبضہ جمایا گیا۔

حضرات گرامی! ہمیں گھبرانا نہیں چاہیے کہ ہم تنہا ہیں اور اس خوف سے اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر اپنی تاریخ بدلیں۔ ہمیں وہ نہیں ہونا چاہیے کہ

ع گر زمانہ با تو نہ سازد تو بہ زمانہ بہ ساز (بلکہ) طبیعے بہم رساں کہ بہ سازے بہ عالمے

ایسا نہیں بلکہ شعر کا دوسرا مصرعہ: یا ہمتے کہ از سر عالم توان گزشت

ہمیں امعہ بننے سے منع کیا گیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **لا تکونوا امعۃ تقولون انا مع الناس** یعنی ہمیں زمانے کے ساتھ چلنے کی بجائے زمانے کا رخ بدلنے کی تلقین کی گئی ہے اس وقت بھی شاہ ولی اللہؒ کے خانوادے شاہ عبدالعزیزؒ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تنہا تھے' ان کے خلاف انگریز نے بڑے بڑے نام نہاد مصلح اور مجدد کھڑے کئے ہمارے خلاف ایک جھوٹی نبوت بھی کھڑی کی گئی اور پورا ایک مکتب فکر ہمارے خلاف انگریز کیساتھ کھڑا ہوا تو اس وقت بھی ہم تنہا لڑ رہے تھے اور اب بھی تنہا ہیں۔ اب بھی یہی صورتحال ہمارے سامنے ہے کہ پوری امت مسلمہ ایک نئی سامراجیت کی شکار ہے۔

میں اختصار سے بات کر رہا ہوں کہ اس صورتحال کے سامنے کچھ طاقتیں سرنڈر نہیں ہو رہی ہیں اور وہ کسی طرح آرام سے نہیں بیٹھ رہی ہیں اور کہتی ہیں کہ مزاحمت کی کوئی ایک قوت تو ہونی چاہیے۔ اب ان مزحمت کاروں میں کچھ لوگ ایسے بھی آگئے جو توازن اور اعتدال میں نہیں رہ سکے اور یا در پردہ قوتیں ان سے نادانستہ فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ ایک طرف ہم پر امریکہ مسلط ہے اور ہم کو دہشتگرد بھی قرار دیا جا رہا ہے' مدرسہ' مسجد' منبر و محراب سب کو آگ لگائی جارہی ہے' چکی کے دو پاٹوں میں ہم پھنس چکے ہیں اگر ہم مزاحمت کاروں کے بارہ میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دیں اور وہ بات شریعت پر مبنی کیوں نہ ہو تو دشمن اسے اچھال کر اپنے فائدے میں ڈال دیگا۔ یہ ایک بڑا المیہ ہے اس پر بھی بات ہونی چاہیے مگر وہ بات نہ بن جائے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے جھگڑے میں میدان جنگ میں کچھ لوگوں نے قرآن کریم نیزوں پر اچھال کر کہا کہ ان الحکم الا اللہ (فیصلہ صرف اللہ کے حکم پر ہوگا) تو بات تو صحیح تھی مگر اس سے غلط مقصد حاصل کیا جارہا تھا۔ اس وقت بھی کہا گیا کہ کلمۃ حق ارید بھا الباطل کہ بات اگرچہ صحیح ہے مگر اسے برے مقصد کیلئے استعمال کیا جارہا ہے۔ ہمیں سوچنا ہے کہ بات کتنی بھی سچی کیوں نہ ہو لیکن اس کا نقصان یا اس کا فائدہ کس کو ہوگا؟

حضرات گرامی! اس وقت بھی ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم دہشت گردی کے خلاف ہیں جو گلی گلی ہو رہی ہے لیکن ایسا راستہ' ایسا

انداز اختیار کریں کہ نہ تو اصل مزاحمتی قوتیں تنہائی کا شکار ہوں اور نہ اس کا فائدہ جارحانہ سامراجی قوتوں کو پہونچنے پائے' اور نہ غیر اعلانیہ طور پر ہم انکو فائدہ پہونچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ بنیادی بات ہے کہ آپ کی حریت' آپکی جمہوریت اور آپکی آزادی کا حق نہ چھیننے دینا یہی خلاصہ ہے فلسفہ جہاد کا اور اسے ہر حالت میں برقرار اور بحال رکھنا ہے۔

دیوبندیت اعتدال اور توازن کا نام ہے تو اس نازک مرحلے میں حساس معاملے میں جذبات میں بات نہ کی جائے بلکہ زیادہ تر اس عسکریت پسندی یا تخریب کاری یا دہشت گردی کے محرکات پر غور کیا جائے' اس کے عوامل آشکارا کئے جائیں اور یہ کہ کس نے دہشت گردوں کو یہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ان محرکات کا ازالہ حکومت تو کر نہیں سکتی۔ حکومت تو ساتھی ہے سامراجیوں کی اور اس کے اتحادی بھی حکومت کے ساتھ ہیں۔ اور ع بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست حکومت اور اس کے اتحادی جارح کا ہاتھ نہیں روک سکتے' پارلیمنٹ کی تمام بڑی جماعتیں امریکہ کے حق میں ہیں کیا نواز شریف اور کیا زرداری سب امریکہ کے ہمنوا ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اب یہ جنگ کیسی لڑی جائے اس پر غور کرنا چاہیے کہ استعماری قوتوں کے خلاف ہمارا لائحہ عمل کیا ہونا چاہیے' یہ بات آج کی نشست میں نہ ہو سکے تو کل بھی نشست رکھی جائے جس میں بیٹھ کر اس پر کھل کر بات کریں اور سوچیں کہ غلط طریقہ کار والوں کو ہم روک لیں جو اس سے غلط فائدہ لے رہے ہیں۔ تو اس کا متبادل طریق کار اور لائحہ عمل بھی واضح طور پر قوم کو دے سکیں۔ جو کتا کنویں میں پڑا ہوا ہے حکومت جب تک اس کتے کو نکال کر باہر پھینک نہیں دیتی تو کنواں کیسے صاف ہوگا؟ اور جو لوگ بندوقیں اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں اور ہمیں طعنہ دے دے کر کہتے ہیں کہ اگر تمہاری پرامن پارلیمانی اور سیاسی جدوجہد سے کچھ فائدہ ہوتا اور کچھ بھی اسلام کے بارہ میں پیش رفت ہو سکتی تو ہم مسلح جدوجہد پر مجبور نہ ہوتے! وہ ہمارے سارے پارلیمانی اور سیاسی جدوجہد کا مذاق اڑاتے ہیں کہ ساٹھ سال سے تم لگے ہو کیا نتیجہ نکلا؟

سوات میں بھی یہی صورتحال پیدا ہوئی' نفاذ شریعت کی پرامن تحریک تھی اس کو راتوں رات سبوتاژ کیا گیا۔ صرف عدالتی اصلاحات پر مبنی معاہدہ امن توڑا سراسر صوبائی اور وفاقی حکومت نے ظلم کیا کہ سوات میں اور فاٹا میں جان بوجھ کر سب کچھ کرش کیا گیا۔ میں اس کا عینی شاہد ہوں امن معاہدہ کی رات میں صوفی محمد صاحب کے ساتھ تھا۔ سب کچھ نارمل ہوگیا تھا۔ صبح فرنٹیئر ہاؤس پشاور میں سیاسی جماعتوں کا اجلاس تھا۔ میں بھی شریک تھا' وزیر اعلیٰ سرحد اور پوری حکومت بیٹھی ہوئی تھی۔ سب نے معاہدہ امن کو برقرار رکھنے کا عہد کیا اور اسے سراہا۔ میں وہاں سے اٹھ کر باہر آیا تو گیٹ پر کھڑے میڈیا والوں نے یہ خبر بدسنائی کہ تم تو مطمئن ہو اور آگے سے معاہدہ کے پرخچے اڑا دیئے گئے ہیں۔ پھر ایک جعلی ویڈیو فلم بھی چلائی گئی۔ آج ہمیں اس جعلی ویڈیو پر بھی کھل کر بات کرنی چاہیے اور یہ ایک ایسی بڑی سازش تھی کہ رجم کے بارے میں ساری دنیا چیخنے چلانے لگ گئی۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بہت محتاط انداز میں قدم اٹھانا ہوگا۔ اگر ہم بھی شور و غوغا کا حصہ دار بن گئے تو پھر اللہ ہی حافظ۔

حضرات گرامی! آپ اثاثہ ہیں امت کا اور خلاصہ ہیں عالم اسلام کا اور اس ملک کا۔آپ زمین کا نمک ہیں۔تو میں سمجھتا ہوں جو کچھ ہو رہا ہے۔اس کا بھی تدارک ضروری ہے۔معاملہ نازک ہے احتیاط نہ ہوئی تو خدا نہ کرے کہ پھر ہمارے لئے سر چھپانے کی جگہ نہ رہے۔ہم سب حق بات بھی کہیں مگر ایسی کہ اس سے دشمن فائدہ نہ اٹھا سکے۔ہم نے افغانستان پر حملہ کے وقت ساری طاقتیں اکھٹی کیں۔''دفاع افغانستان کونسل'' کی شکل میں' ایسا اتحاد وقت کا تقاضا تھا مگر اس کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔اگر ہم اس کو قائم رکھتے اور اس وقت عوام کو باہر نکال سکتے تو امریکہ اور اس کے حواریوں کو میدان خالی نہ ملتا۔ہم نے غفلت کی ہمیں میدان میں ڈٹ کر باطل کے خلاف کھڑا ہونا تھا' امریکہ اور سب کچھ اس کے اتحادیوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑنا تھا کہ ''خانہ خالی را دیومی گیرند'' تو اب یہ خلاء کون پُر کرے گا؟ اب میدان مکمل خالی ہے۔ہمارے آج کے اعلامیہ اور قرارداد پر نہ تو اس کے مخاطب توجہ دیں گے نہ حکومت اس پر عمل کرے گی' حکومت پارلیمنٹ سے ہماری پاس شدہ متفقہ قرارداد پر ٹس سے مس نہ ہوئی وہ اپنے پارلیمانی قرارداد کو ڈزبین (کوڑادان) میں ڈال چکی ہے تو ہماری ان قراردادوں سے کیا ہوگا؟ صرف جمعہ کی تقریروں سے حکومتیں دب نہیں جائیں گی۔

بزرگو! ملک غیر اعلانیہ طور پر غلام بن چکا ہے۔سارے فیصلے اور احکامات باہر سے آرہے ہیں۔حکومت پوری قوت سے مدرسوں کی بدنامی اور دینی تشخص کو کھرچنے میں لگی ہوئی ہے۔سارے ملک میں مدرسوں کی جو حالت ہوگئی ہے وہ سب پر ظاہر ہے آئے روز چھاپے مارے جارہے ہیں' روزانہ ایک نہ ایک ذلیل سے ذلیل کارندہ چھاپہ مارتا ہے۔اور آپ کے تمام ریکارڈ کو ساتھ لے جاتا ہے اور خصوصاً صوبہ سرحد میں تو بے گناہ اور معصوم ائمہ مساجد کو روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں پابند سلاسل کیا جارہا ہے' جان بوجھ کر اہل مدارس اور ائمہ مساجد کو ہراساں کیا جارہا ہے۔حقیقت میں دیندار لوگوں پر پاکستان کی زمین تنگ کرادی گئی ہے۔آج یہاں ہمارے تمام اکابر موجود ہیں اور وہ یہ حقیقت جانتے ہیں۔میں زیادہ تفصیل میں جانا نہیں چاہتا' یہاں دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا جائے مگر جو پہلو محرکات کا ہے یعنی سامراجیت اور استعماریت کا تو فیصلوں میں اس پلڑے کو زیادہ ملحوظ رکھا جائے اور وہ پلڑا بہر حال بھاری رہے اور یہاں سے پیغام ایسا جائے کہ ہم خدانخواستہ کسی نادیدہ ہاتھوں کے ذریعہ کوئی غلط کام تو نہیں کر رہے یا اس کا فائدہ کسی باطل قوت کو تو نہیں پہونچ رہا۔یہ ساری صورتحال پل صراط سے کم نہیں۔اگر ہم نے جلد بازی میں یا کسی دباؤ میں آکر غلط فیصلے آج کر لئے تو اس کا خمیازہ نہ صرف ہم بلکہ ہماری آئندہ نسلیں بھی تادیر بھگتیں گی۔

امید ہے یہ اجتماع اس نازک وقت میں امت کی بہتر رہنمائی کرے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان سے نکالے اور سرخرو کردے کہ ہم حق بات بھی کہہ سکیں اور ظالم کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر حق بھی منوا سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین (رپورٹنگ محمد اسرار ابن مدنی' شریک دورہ حدیث' جامعہ حقانیہ)

مولانا راشد الحق سمیع

اٹھارویں آئینی ترمیم اور ملک وملت کا مقدر؟

عرصہ دراز کے بعد پاکستانی سیاستدانوں نے اٹھارویں آئینی ترمیم پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے پاس کرا کر کچھ نہ کچھ سیاسی بلوغت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اٹھارویں آئینی ترمیم دراصل سابقہ آمر پرویز مشرف اور اسکے اتحادیوں کے ہاتھوں آئینِ پاکستان کو بازیچہ اطفال بنانے، اس کی اصل روح مسخ کرنے اور اسے اپنی خواہشات کے تابع بنانے سے اس کی اصل حیثیت گم ہوگئی تھی تو اسکی اصلاح کیلئے اٹھارویں آئینی ترمیم ضروری تھی۔ پرویز مشرف اپنے اقتدار کو پاکستان کی سالمیت کے لئے جز لاینفک سمجھتے تھے، آج اس کے اکثر قوانین بھی مٹ گئے اور خدا نے اسے خود بھی حرف غلط کی طرح پاکستانی سیاست سے ہمیشہ کیلئے مٹادیا۔ اٹھارویں آئینی ترمیم سے جہاں کچھ نہ کچھ آئین میں ''تعمیر'' ہوئی ہے وہیں سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے مفادات کے حصول کے لئے کئی متنازعہ شقیں (تخریب) بھی اس میں شامل کرلی ہیں۔ جس سے مزید بحرانوں کا دروازہ کھل سکتا ہے اور ابھی سے سپریم کورٹ اور پارلیمنٹ کے درمیان ایک بڑی کشمکش کی چاپ صاف سنائی دے رہی ہے۔ الغرض ع میری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی

نئی ترمیم گو کہ الفاظ وحروف کا ایک خوبصورت اور خوشنما باب کا اضافہ لگتا ہے اور اسکی منظوری پر حکمران خوشی کے شادیانے بھی بجارہے ہیں۔ لیکن اس سے پاکستانی مظلوم قوم، بندہ مزدور کے اوقات اور انکے مستقبل پر عملی اثرات مرتب دکھائی نہیں دے رہے۔ ویسے بھی پاکستان میں قانون کا احترام اور آئین کا تقدس صرف عوام کیلئے ہی ہے۔ البتہ نااہل حکمرانوں، کرپٹ سیاستدانوں اور طبقہ امرا کیلئے اس کی حیثیت ہمیشہ صرف کاغذ کے ایک پرزے کی سی رہی ہے، ہمیشہ حکمرانوں نے اسے اپنے لئے موم کی ناک بنائے رکھا اور موجودہ حکمران بھی اسے درخور اعتناء نہیں سمجھتے۔ آئے روز حکمران آئین پاکستان اور عدلیہ کے احکامات کی دھجیاں ہواؤں میں اڑاتے رہتے ہیں۔ دنیا کی کئی اقوام کتاب ہستی سے صرف اس لئے مٹ گئی تھیں کہ انہوں نے عدل وانصاف اور قانون کے مختلف ترازو بنا رکھے تھے۔ خواص کے لئے کچھ اور قوانین تھے اور عوام الناس کیلئے کچھ اور۔ حالانکہ دستور وآئین کسی بھی معاشرے کی تعمیر وترقی اور اس کی بقاء کیلئے بنیادی اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغربی اقوام نے اس لئے ترقی کی کہ انہوں نے خواص اور عوام دونوں کے لئے یکساں قوانین بنائے۔ مغرب کا طاقتور سے طاقتور حکمران اپنی قوم اور قانون کو جواب دہ ہوتا ہے۔ پھر کئی ترقی یافتہ

ممالک کے ہاں تو آئین انتہائی مختصر ہوتا ہے (زلفِ یار کی طرح طویل اور ضخیم نہیں جیسا کہ ہمارے ہاں ہے) اور ایک ملک میں تو غالباً آئین دستاویز کی صورت میں مرتب بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی اُن معاشروں میں آئین شکنی اور عدل و انصاف سے پہلوتہی کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ بعض ناقدین اٹھارویں ترمیم کو بھی عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ عوام الناس کے اصل مسائل کا تعلق تو امن وامان مگے قیام خودداری اور حمیت اسلامی اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے اور دووقت کی نانِ جویں کی بسراوقات سے ہے۔ انہیں آئینی ترامیم کیا دیتی ہیں؟ حکمران انہیں امن تک نہیں دے سکتے۔ موجودہ حکمرانوں نے تو مہنگائی کے باعث ان کے منہ کے نوالے بھی چھین لئے ہیں۔ بجلی کا ایسا بحران ملک میں برپا ہے کہ پوری دنیا میں اس جیسی بدترین مثال پیش کرنے کو نہیں مل رہی۔ صوبہ سرحد اور خصوصاً اکوڑہ خٹک میں بیس‘ اکیس گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہورہی ہے۔ جس کے باعث کاروبار زندگی سو فیصد تباہ ہوگیا ہے۔ غریبوں کے گھروں اور جھگیوں میں چراغ بھی جلنے سے قاصر ہیں۔ انہیں اٹھارویں آئینی ترمیم کی ''بشارتوں'' ''مبارکبادوں'' سے کیا سروکار؟ ان کے پیٹ رزق سے خالی اور ہاتھ ہنر کے باوجود شل ہوگئے ہیں۔ دہشت گردی اور غلامانہ پالیسیوں کے نتیجے میں بم دھماکوں کی ایسی کالی آندھیوں کا انہیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے جس کے سامنے افغانستان اور عراق بھی کچھ نہیں۔ وطن عزیز کا آنگن لاشوں سے اَٹا پڑا ہے۔ سسکیوں اور آہوں نے عرش بریں کا سینہ بھی شق کردیا ہے۔ لیکن بدبخت حکمرانوں کو مظلوم عوام کی چیخ وفغاں سے کیا سروکار؟ انہیں صوبہ کے نام کی تبدیلی کی خوشی میں جشن منانے اور سرکاری سرپرستی میں مجرے کرانے سے فرصت کہاں؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ صوبے کا نام چاہے ''جہنم'' رکھ دو لیکن ان کے حقوق پامال مت کرو صرف انہیں قرینے سے زندہ رہنے دو۔ اگر صوبے کا نام تبدیل ہو بھی گیا تو عوام کو کیا حاصل ہوا؟ پختونوں کو تشخص دینا تو ہر حال میں ضروری تھا لیکن اگر یہ قیام پاکستان کے وقت دیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ ایک لسانی جماعت نے اسے اپنی سیاست چمکانے کیلئے یہ ایشو ہمیشہ استعمال کیا اور زرداری صاحب نے اپنے مفادات کیلئے بہت ہی نازک وقت میں یہ نام بلیک میلنگ کے نتیجے میں اے این پی کو دے دیا۔ لیکن اس سے پورے ملک میں افراتفری‘ عصبیت‘ لسانیت کے بگولے اٹھنے لگے اور کئی طرح کی بولیاں بولی جانے لگی ہیں۔ پاکستان کو مزید کمزور کرنے کی کئی سازشیں اُبل پڑی ہیں۔ ان حالات میں حکمرانوں سے یہی گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے مفادات کے بجائے ملک وملت کے مفادات کو ترجیح دیں‘ عوام کو مزید بیوقوف نہ بنائیں کہ ان بیچاروں کے پاس اب زندہ رہنے کے لئے گنی چنی چند ٹوٹی سانسیں ہی بچی ہیں‘ ایسا نہ ہو کہ سیاستدانوں کو اپنے لئے ووٹ مانگنے کے لئے کل قبرستانوں کی خاک چھاننی پڑے۔

؎ مرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

داعی قرآن اور مرد قلندر ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی رحلت

دنیائے فانی کے بحر پر کتنے ہی افراد پانی کے بلبلوں کی طرح اٹھتے اور مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ ابد سے ازل تک موت وحیات کی کشمکش کا سلسلہ جاری ہے۔ فانی عمر کی چند ساعتیں حقیت میں شفق کی لالی کی سرخی جتنی ہیں اور ابدی زندگی کی شروعات تو قبر کی لحد سے لے کر کروڑوں اربوں سالوں سے بھی زیادہ ہے۔ صرف وہی ہستیاں بحرِ فنا کی سطح پر تادیر قائم رہتی ہیں جنہیں اس حقیقت کا ادراک ہو۔ عظیم اسلامی اسکالر جناب ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم مغفور بھی ان نابغہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کی پوری زندگی جہد مسلسل، دعوت قرآن کو پھیلانے اور اسلامی فلسفے کی ترویج اور دین کی اشاعت کیلئے گزری۔ ڈاکٹر صاحب جیسے باکمال اور منفرد اور گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کا احاطہ ایک طالب علم کیلئے ناممکن ہے۔ آج قلم متحیر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کس کس پہلو پر روشنی پہلے ڈالی جائے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ابتداء میں جماعت اسلامی کی تحریک سے وابستہ ایک عام کارکن تھے، لیکن اپنی جدت پسند بلکہ حقیقت پسند افتادِ طبع کے باعث جماعت اسلامی سے بلآخر اصولی اختلافات کی بناء پر الگ ہو گئے اور کافی سوچ و بچار کے بعد ان پر یہ حقیقت واشگاف ہوگئی کہ پاکستان جیسے ملک میں انتخابی سیاست کے ذریعے انقلاب لانا ہزار سال میں بھی ناممکن ہے۔ اسلئے انہوں نے پہلے نظریاتی اور دعوتی لحاظ سے رجال کار بنانے کیلئے دعوتِ قرآن پھیلانے کیلئے کمر باندھی اور اپنی صلاحیتوں کے استعمال کے لئے ''تنظیم اسلامی'' اور ''قرآن اکیڈمی'' کے نام سے ایک الگ پلیٹ فارم بنایا۔ اور دن رات قرآن کی دعوت کو پھیلانے کیلئے دروس اور تقریروں کا لامتناہی ان تھک سلسلہ شروع کردیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی پراثر، پرمغز اور پُرسوز تقریروں اور قرآنی حلقوں نے خلق خدا کی قسمتوں کی کایا ہی پلٹ دی۔ جس پڑھے لکھے بلکہ ان پڑھ انسان نے بھی ڈاکٹر صاحب مرحوم کی ایک آدھ تقریر سنی تو وہ اس کا گرویدہ ہوگیا۔ یہ ڈاکٹر صاحبؒ کا قرآن کیساتھ عشق اور شغف کا اعجاز ہی تھا کہ دعوتِ قرآن اور ڈاکٹر صاحب کا نام پاکستان اور دوسرے ممالک میں لازم و ملزوم بن گئے۔ گو کہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی علمی تفردات اور ذاتی آراء سے کئی حلقوں کو اختلاف بھی رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گئے گزرے بے دین اور خصوصاً قرآن سے دور بھاگے ہوئے معاشرے میں دعوتِ قرآن کو پھیلانا اور اس کو عوام میں سمجھانا اور قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرانا ڈاکٹر صاحبؒ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے نظام خلافت کیلئے بھی کافی جدوجہد کی۔ پاکستان میں علامہ اقبالؒ کی حکمت اور فلسفہ پر آپ ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ قرآنی آیات اور اقبالؒ کے اشعار آپکے تقریروں کا خاصہ تھے۔ ڈاکٹر صاحبؒ نہایت باوقار، پراثر علمی شخصیت تھے۔ حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کیساتھ کئی دینی تحریکوں میں کھل کر حمایت کی۔ خصوصاً ''شریعت بل'' کی تحریک اور ''ملی یکجہتی کونسل'' اور سب سے بڑھ کر ''پاک افغان ڈیفنس کونسل'' کے پلیٹ فارم پر بھی آپ نے اپنی توانا آواز کو ہمارے ساتھ بلند رکھا۔ ڈاکٹر صاحب جیسی بڑی عبقری قومی، ملی، علمی اور تاریخی شخصیت کا بچھڑنا پاکستان اور خصوصاً دینی حلقوں کیلئے انتہائی دکھ اور درد کی علامت ہے۔ ادارہ حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے باکمال فرزندوں اور انکے ادارے کیساتھ درد و رنج کے اس موقع پر دلی تعزیت کرتا ہے۔

قسط (۱۰) ادارہ

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

ماخوذ از خودنوشت ڈائری ۱۹۵۴ء

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب، اہل محلہ و گرد و پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپ کی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ جا بجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ، تحقیقی عبارت، علمی لطیفہ، مطلب خیز شعر، ادبی نکتہ اور تاریخی عجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کر لیا۔ ضروری سمجھا گیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیرانِ ذوقِ مطالعہ استفادہ کر سکیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں .... (مرتب)

حلیہ مبارک حضور اقدس ﷺ منظومہ:

بگفت هست درخشنده روئے نیکوخوئے — تمام تر بہ جمال و کمال انسانی
برنگ سرخ و سفید و بآب و تاب ملیح — بہ چہرہ بدرمنیر و کشادہ پیشانی
سرش بزرگ و کشیده عنق سیه گیسو — قدش بلند و تناور شکم بہ چسپانی
شطوطها بہ سپیدش احمر قانی — بسی صفا ست سواد و بیاض چشمش را
دو آبروانش دراز ودقیق و پیوسته — فراق چشم و بانبوه موسی مژگانی
نکرده سرمه و چشمانش سرمه آگین بود — چو تیر راست نمایان مژه بطولانی
دراز بینی و باریک و درمیاں خم دارد — دو استخوان خدش باعذار یکسانی

خدا پناہ دھد در غضب اگر آید — شود سطبر رگ ابر و چھرہ رصانی

دھن فراخ کہ در عرف عرب ممدوح است — لبان او ھمہ رنگیں برنگ مرجانی

کلان چو دانہ درّ سمین دندانش — کشادہ گاہ تبسم چو برق تابانی

ھم او قسیم و بسیم و وسیم در خوبی — ھم او فصیح و بلیغ و بدیع بیتانی

پر از وقار نماید اگر خمش ماند — پر از بھا بہ سخن گر کند درافشانی

ندید چشم ھنر بین چو او بخوش خوئی — ممیز است بحقیقت اوزبطلانی

شنیدہ ایں ھمہ اوصاف گفت ابو معبد — بحق کہ اوست بنی قریش القرانی [1]

(قصیدہ مولوی امین اللہ بہاری، ماہنامہ برہان ۱۷ تا ۲۴ ج ۳۱) (۶ تا ۹ جون)

دعائیہ اشعار:

الھیٰ عبدک العاصی اتاکا — مقرا باالذنوب وقد دعاکا

فان تغفر فانت بذاک اھل — وان تطرد فمن یرحم سواکا [2]

عظیم مسلمان مصنفین: ابن کثیرؒ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کر کے اپنے زمانے تک کے وقائع بارہ جلدوں میں محدثانہ طرز پر قلمبند کیے۔ امام محمدؒ نے قیدخانے کے کنوئیں میں محبوس رہ کر نیچے سے اوپر سننے والے شاگردوں کو فقہ کی املا کراتے ہوئے تیس جلدوں میں مبسوط کتاب لکھوائی۔ ابن جریر طبری نے قرآن کی تفسیر ۸۰ جلدوں میں تالیف کی۔ ابن جریرؒ کی وفات کے بعد لکھائی کی روشنائی کا حساب کیا گیا تو ایک ہزار رطل کتابت علوم وتصنیف میں

---

[1] اس نے کہا کہ وہ روشن اور درخشاں چہرے والے اور نیک سیرت تھے اور انسانی جمال وکمال کی تمام تر خوبیوں سے آراستہ تھے۔ آپ کا رنگ مبارک سرخ وسفید تھا۔ اور اس میں ملاحت عیاں تھی۔ جبکہ آپ کی پیشانی کشادہ اور رخ روشن چودھویں کے چاند کی طرح دمکتا تھا۔ آپ کا سر مبارک موٹا گردن مبارک کشیدہ وخمیدہ اور کالی زلفوں کے حامل تھے۔ دراز قد شکم مبارک لپٹا ہوا تھا۔ آپ کی آنکھوں کی سیاہی بالکل واضح اور سفیدی بھی مکمل ظاہر تھی۔ اور ان کا رنگ سرخی مائل تھا۔ آپ کے ابرو باہم متصل اور دراز تھے، موئے مژگان یعنی پلکیں گھنی اور تیر کی طرح طویل تھیں۔ یعنی سرمہ لگاتے آپ کی آنکھیں سرمہ گیں تھیں۔ ناک اور بینی مبارک دراز تھی اور خمدار تھی یعنی ناک کا بانسہ اٹھا ہوا تھا۔ اور رخسار مبارک بھرے ہوئے تھے۔ آپ کی حالت غصہ سے اللہ کی پناہ۔ غصے کی حالت میں ابرو کی درمیانی جگہ متحرک ہوتی تھی۔ آپ کا دہن اور منہ مبارک فراخ اور کشادہ تھی جو کہ عربوں کے نزدیک ممدوح ہے اور ہونٹ مبارک سرخ اور مرجانی رنگ والے تھے۔ دانت موتی کی طرح چمکدار کھلے اور کشادہ تھے۔ وہ قسیم وبسیم اور وسیم بھی تھا خوبی میں اور فصیح وبلیغ اور بے شان بدیع بھی تھا

[2] الٰہی تیرا گنہگار بندہ تیرے در پر اپنے گناہوں کے اعتراف کے ساتھ مانگنے آیا ہے۔ اگر آپ بخش دیں تو آپ ہی اس کے سزاوار ہیں اور اگر دھتکار دیں تو آپ کے سوا کون ہے جو رحم کرے گا۔

صرف ہوئی۔ یعقوب ابن شیبہ بصریؒ نے اپنی مسند تصنیف کرنے کے وقت ۲۰۰ جلدوں میں تکمیل کا اندازہ کیا۔ چالیس کاتب آپ کی تصنیف کی صرف کتابت کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی تصانیف کی فہرست شذرات الذہب میں پانچ سو سے زیادہ لکھی۔ ابن تیمیہؒ کی بڑی پرمغز تصانیف پانچ سو سے زیادہ تک پہنچتی ہیں۔

اقوام عالم کی ذہنی خصوصیات: مشرکین کی ذہنیت تنزیہی ہے۔ یہود کی ذہنیت تقلیدی ہے۔ نصاریٰ کی ذہنیت تصویری ہے۔ حنفاء مسلمین کی ذہنیت تحقیقی اور علمی ہے۔ (تعلیمات الاسلام ۔ص ۶۳) (۸۔۱۰ فروری)

عہد یوسفؑ میں مصری بادشاہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ مصر کا نام ریان بن الولید تھا۔ جو آپؑ کی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا۔ (تفسیر عثمانی، ص ۳۱۰) (۱۱رفروری)

طبقات ابن سعد جیسی قدیم کتاب یورپ کے توسط سے پہنچی:

طبقات ابن سعد جیسی قدیم و مفید کتاب ہمارے ہاتھوں پہلے یورپ کے ذریعے پہنچی۔ اس سلسلے میں مزید تفصیلات کیلئے مولانا شبلی نعمانیؒ کی کتاب سیرت النبی ﷺ کے مقدمہ کو دیکھا جائے۔

نواب صدیق حسن خان: نواب صدیق حسن خان مرحوم ہند کے اُن علماء میں سے ہیں جن کی کتابیں ہند کے علاوہ مصر اور قسطنطنیہ میں بھی طبع ہوئیں ہیں۔ اسلامی علوم میں شاید ہی کوئی فن ہو جس میں نواب صاحب کی کتاب نہ ہو۔ انکی کل تصنیفات و تالیفات ۲۲۲ ہیں۔ تفصیلات کیلئے تذکرہ علماء ہند، نیل الاوطار، تراجم علمائے حدیث ہند اور مآثر صدیقی کی طرف رجوع کی جائے۔

پشتو زبان کی ابتداء اور ہزار سال پرانا ٹپہ:

پشتو زبان تین ہزار سال قبل مسیح وجود میں آئی۔ پشتو کا ایک ہزار سال پرانا ٹپہ جو سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں کہا گیا۔ سلطان کے لشکر میں ایک پٹھان سردار ملک خالو ایک شخص تھا، ایک عورت نے جب غزنوی لشکر کو ہندوستان سے واپسی پر دیکھا تو خوشی کی حالت میں کہا:

چه دَ خالو لخکرے راغلیے زه به گومل ته دَخپل یار دیدن له زمه

پشتو زبان کے ٹپوں کے نام یہ ہیں: تیراہی۔ بیخورئی۔ گرسیری، قندہارئی، وزیرئی۔

پشتو شعر میں وطن دشمن کی مذمت:

سوک چه دَ خپل وطن دخمن دے تل شرمنده به په دنیا آخرت وینه (۱۱جون تا ۱۳جون)

انجام کار زوال:

پھولوں کی حیات رنگین کا ہر چند مجھے انکار نہیں دیکھا ہے مگر یہ بھی میں نے انجام وہی پامالی ہے

سلسلہ خطبات جمعہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق صاحب
ضبط وترتیب : حافظ محمد سلمان الحق انمار حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اخلاق حسنہ اور حیاء کا تلازم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعدفعن زید بن طلحة قال قال رسول الله ﷺ ان لکل دین خلقاً وخلق الاسلام الحیاء رواه مالک مرسلا و رواه ابن ماجه والبیهقی فی شعب الایمان عن انسؓ وابن عباس - ترجمہ: حضرت زید بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ’’ہر دین میں ایک خلق ہے اور اسلام کا وہ خلق حیاء ہے۔

ادیان سماویہ کا مابہ الاشتراک: یعنی تمام آسمانی مذاہب بے شمار صفات وکمالات پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں ایک صفت ایسی ہوتی ہے جسے دیگر صفات کے مقابلہ میں اعلیٰ وارفع حیثیت حاصل ہوئی۔ یہی صورت ہمارے دین متین کی ہے۔ جو دنیا کے تمام صفات اور خوبیوں کا حاصل اور جامع ہے ان اوصاف میں سب پر غالب شرم وحیاء ہے۔ نفس امارہ بالسوء تو ہر وقت انسان کو گناہوں پر آمادہ کرنے کے درپے ہے۔ گناہوں کے راہ میں اگر سب سے اہم کوئی مانع اور رکاوٹ ہے تو وہ حیاء ہے۔ حیا ہی وہ سب سے اعلیٰ خصلت ہے کہ انسان کے اخلاق وخصلتوں کو کمال تک پہونچا دیتی ہے۔

بعثت سے قبل عرب کی حالت: آپ کو معلوم ہے کہ جن حالات میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی، تمام جزیرۃ العرب اخلاقی بے راہ روی، بت پرستی، قتل وقتال، عورتوں کی بے حرمتی، زندہ درگور کرنے جیسے بے شمار جرائم تو ان کے محبوب مشاغل تھے، سرکش اور خودسر جرائم پیشہ سرداروں کا اپنے اپنے قبائل پر راج تھا، ان جابروں اور ظالموں کے اشاروں کو محکوم لوگ اپنے لئے حکم قطعی سمجھتے۔ نافرمانی ان کے لئے قتل کا پروانہ بن کر بجلی کی طرح ان کے وجود کو بھسم کردیتی۔ شرم وحیاء کی تو ان کے ہاں کوئی حیثیت نہ تھی قضائے حاجت کے لئے کپڑے اتار کر مرد وزن آمنے سامنے بیٹھ کر گپ شپ میں مصروف رہ کر رفع حاجت کرتے جس کی سید الانبیاء نے سختی سے ممانعت فرمادی ارشاد گرامی ہے:

عن هلال بن عیاض قال حدثنی ابو سعید قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لایخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتهما یتحدثان فان الله عزوجل یمقت علی ذالک الخ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری حضور ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو دو آدمی قضائے حاجت کے لئے نکلیں اور اپنے ستر کھول کر آپس میں گفتگو کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات سے سخت

ناراض ہوتے ہیں۔

حیاء اور ستر عورت: شریعت اور شارع تو حیا اور ستر عورت پر اتنا زور دیتا ہے کہ قضائے حاجت جو کہ انسان کا فطری اور اہم تقاضا ہے، کے وقت بھی ضرورت سے زیادہ اور وقت سے پہلے ستر کھولنے کی اجازت نہیں۔ یہ ایسی ذمہ داری ہے کہ اس کیلئے خواہ مخواہ عورت کا کچھ حصہ ظاہر کرنا پڑیگا۔ مجسم حیاء رحمۃ دو عالم ﷺ اس موقع پر بھی حیا کے پیش نظر اس امر مجبوری کو بقدر ضرورت اختیار کرتے۔ حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ کے اس موقع پر کیفیت کو اس انداز سے بیان فرما رہے ہیں: عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان اذا اراد الحاجۃ لایرفع ثوبہ حتی یدنوامن الارض. (ابوداؤد)

ترجمہ: ''حضرت ابن عمرؓ روایت کرر ہے ہیں کہ سردار دو عالم ﷺ جب قضائے حاجت کا ارادہ فرماتے، جب تک زمین کے نزدیک نہ ہو جاتے، اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے''۔

مرد و عورت کے ستر کی حدود: ائمہ کرام اور فقہاء عظام کی متفقہ رائے ہے کہ ناشد ضرورت کے بغیر اپنے آپ کو ننگا کرنا (یعنی عورت جو کہ مرد کی ناف سے لے کر گھٹنے تک اور عورت کا غیر محرم کے حق میں تمام بدن ہے) تنہائی میں بھی حرام ہے۔ اگر کوئی انسان جس کے سامنے بے حیا ہونے کا خوف نہیں مگر اللہ اور نیکی وبدی اور حفظہ فرشتے تو موجود ہیں، انسان کے مقابلہ میں اللہ اور فرشتے تو اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی موجودگی میں بے حیائی کا تصور بھی نہ کیا جائے۔

حیاء کا مطلب: حیا کا مطلب یہ نہیں مرد، عورت سے اپنے اپنے مخصوص اعضاء کو چھپائے رکھے اور عورت اجنبی مرد کے درمیان یہ ممانعت ہے بلکہ مرد کے دوسرے مرد کے ممنوعہ حصہ جسم کو دیکھنا اور عورت کے دوسرے عورت کے جن حصوں کو دیکھنے سے روکا گیا ان حصوں کو دیکھنا حیاء اور شرم کے خلاف ہونے کے ناطے شرعاً مسلمان کو روکا گیا۔ اسلام تو اتنا عفت، پاکدامنی اور حیاء پر مشتمل مذہب ہے کہ حضور نے سخت مشقت اور تکلیف دہ حالت میں بھی حیاء کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا۔

حیاء کی تعلیم کا نبوی طریقہ: وعن المسور بن مخرمہ قال حملت حجراً ثقیلاً فبینا انا امشی سقط عن ثوبی فلم استطع اخذہ فرانی رسول اللہ ﷺ فقال لی خذعلیک ثوبک ولا تمشوا عراۃ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ''حضرت مسور ابن مخرمہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اسے لے کر چلا۔ راستہ میں میرا کپڑا میرے بدن سے سرک کر گر گیا۔ جس سے میرا ستر ظاہر ہونے لگا۔ پتھر کے بھاری پن کی وجہ سے میں ستر نہ اٹھا سکا۔ (برہنہ حالت میں روانہ رہا۔ اس دوران آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر حکم دیا۔ اپنا کپڑا اٹھا کر (ستر کو چھپا دو) اور ننگا ہو کر رفتار جاری مت رکھو۔

محترم حاضرین! آپ خود تصور کریں کہ ایک بھاری بھر پتھر پھینکنا اور پھر اٹھا کر سر پر رکھنا ایک مشکل اور صبر آزما کام

ہے۔مگر اس کے باوجود اخلاق حسنہ میں حیاء عفت کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ مرشد اعظم ﷺ نے ان کو بے حیائی کی حالت میں سفر جاری رکھنے سے سختی سے منع فرمایا۔

سراپا شرم وحیاء: آپ کو معلوم ہے کہ شریعت مطہرہ میں خاوند کا اپنی بیوی کا اور بیوی کا اپنے خاوند کے تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ اس کے باوجود آنحضرت ﷺ اور ان کے ازواج کے شرم وحیاء کی حالت یہ تھی کہ ام المومنین حضرت عائشہ جو علم وفضل کے اعتبار سے حضور ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، فرماتی ہیں:

ما رأيت فرج رسول الله ﷺ قط یعنی بقول حضرت عائشہؓ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ جب حضرت عائشہؓ کی حیا کی کیفیت یہ تھی تو سراپائے شرم وحیاء رحمت دو عالم کا حضرت عائشہؓ کے اعضائے ستر کو دیکھنے کا تصور بھی ناممکن ہے۔

خانہ کعبہ کا برہنہ طواف: اللہ کی وحدانیت کا انکار کرنے والے عرب و دیگر ممالک جن میں آنحضرت ﷺ آخری پیغمبر بن کر وارد ہوئے۔ ان میں معاشرتی اور تہذیبی اقدار کا زور وشور سے سرعام فقدان تھا، بے حیائی اور شرم و غیرت نام کی چیز کا وجود تو ان کے ڈائری یا ڈکشنری میں موجود ہی نہ تھا۔ آج کی مغربی دنیا اور ان کے افکار ونظریات پر فریفتہ لوگوں کی مرد و زن کا بالکل برہنہ ہو کر اختلاط محبوب مشغلہ اور اس انداز میل ملاپ کو بے شرمی سے تعبیر کرنے والا ان کے نزدیک غیر ترقی یافتہ، جاہل اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جاتا۔ حیا اور شرم سے بے نیازی کی حالت یہ تھی کہ مرد و زن خانہ کعبہ کا طواف مادر زاد کی طرح بلکہ ننگے ہو کر کرتے۔ انسان جب گمراہی کی وادیوں میں بھٹک جاتا ہے پھر اس کی عقل و دانش سلب ہو کر اپنے گناہوں کے جواز کے لئے بھونڈے، عقل و سمجھ سے متصادم دلائل تلاش و بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔

نفاذ احکام کے لئے حضرت علیؓ کی بعثت: یہی بے شرمی کی صورتحال جو آنحضرت ﷺ کو بالطبع سخت ناپسند تھی۔ آپ نے ان حرکات کی سختی سے ممانعت فرمادی۔ حضرت علیؓ کے بارہ میں روایت ہے:

عن زيد بن اليع قال سئلت عليا بأىّ شى بعثت قال باربع لايدخل الجنة الانفس مسلمة ولايطوف بالبيت عريان ولا يجتمع المسلمون والمشركون بعد عامهم هذا ومن كان بينه وبين النبى ﷺ عهد فعهده الى مدته ومن لامدة فاربعة اشهر (رواہ الترمذی)

حدیث کا پس منظر وخلاصہ یہ کہ ۹ھ ہجری میں حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرت ﷺ نے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ بھیجا، جہاں عرب کے تمام قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا تاکہ وہاں پر سورۃ براءۃ میں نازل شدہ احکامات کا اعلان کر دیں۔ بعد میں اسی سلسلہ میں حضرت علیؓ کو بھی بھیجا۔ زید بن اثیعؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کو کن احکامات کی تعلیم دے کر بھیجا گیا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا چار باتوں کا حکم دے کر مجھے مکہ روانہ فرمایا۔ پہلا یہ کہ جنت میں صرف مومن کا داخلہ ہوگا۔ دوم یہ کہ

بیت اللہ کا طواف برہنہ حالت میں بالکل نہ کریں۔ سوم اس سال کے بعد آئندہ کافر اور مسلم ایک ساتھ جمع نہ ہوں۔ چوتھا یہ کہ نبی ﷺ اور جس کے بیچ صلح ہے، ایک مدت مقرر تک تو یہ صلح اسی مدت تک رہے گی اور جس کی صلح میں کچھ مدت مقرر نہیں اس کو چار مہینے تک مہلت ہے۔

عذر گناہ بدتر از گناہ: اپنے برہنہ طواف کے عمل کے جواز کے لئے آج کل کے لادینی طبقہ کی طرح ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کے مصداق وجہ یہ بیان کرتے کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں ان کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف بے ادبی ہے۔ ایسے عقل و دلیل پر ماتم کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اور اپنے وہ اعضاء جن کو ہر وقت بے شرمی اور حیاء باختہ انداز میں استعمال کر رہے تھے شاید اسے کار خیر سمجھتے ہوں گے۔

اسلام کا بنیادی وصف: محترم سامعین حیاء اسلام کا ایسا بنیادی اخلاقی امتیازی وصف ہے کہ اسی کے استعمال سے انسان کے فطرت میں جو شرم و حیا کے دواعی اللہ نے ودیعت فرمائے ہیں نکھر کر سامنے آجاتے ہیں پھر اس کے باعث انسان کئی بے حیائی کے امور اور اللہ کی نافرمانیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ وجہ یہ کہ حیا ایک ایسا وصف محمود ہے جو انسان کے دل میں تمام گناہوں سے نفرت اور اگر گناہ ہو جائے پھر بھی دل میں پریشانی اور پشیمانی اور بے چینی اور رجوع الی اللہ کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے۔ بزرگوں کے فرمانے کے مطابق حیاء نہ صرف انسانوں سے کرنی ضروری ہے بلکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو رب العالمین سے شرم و حیا کرنے کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

شرم و حیاء کا علمبردار: انسان سے تو کسی دوسرے انسان کے بے حیائی پر مشتمل عمل پوشیدہ ہو سکتا ہے مگر علیم بذات الصدور سے انسان کے ظاہری و باطنی کوئی عمل بھی مخفی نہیں۔ اس سے شرم کرنے میں شدت سے احتیاط برتی جائے اس سے حیاء کرنے سے مراد یہ کہ جس کام کرنے سے ذات باری نے منع فرمایا ہے، اسے کسی صورت نہ کیا جائے، تمام اعضاء و جوارح کو اس نے جس انداز سے استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح استعمال کیا جائے جس فرد نے اللہ کے ماموروات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے میں کوتاہی کی اس مرد و زن نے اللہ سے حیاء کرنے کا جو تقاضا ہے اس کی شدید خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو ایک بڑے گناہگار ہونے کے طور پر اپنے محسن حقیقی کے بے شمار انعامات کا جواب ناشکری اور احسان فراموشی کی صورت میں دیا۔

اللہ سے شرم کرو: ایک سچے اور پکے مسلمان کے لئے حق تعالیٰ اور اس کے انعامات کے درمیان اگر حیاء کا وصف حائل ہو جائے تو پھر یہ تصور بھی ناممکن کہ انسان سے گناہ سرزد ہو۔ گناہ کرنے سے پہلے سو بار اسے سوچنا پڑے گا کہ جس منعم حقیقی کے مجھ پر لامحدود احسانات ہیں مجھ میں شرم و حیاء نہیں کہ میں اس کی نافرمانی کر رہا ہوں، انسان کے اسی تصور اور عقیدہ کی بناء پر سید الکونین ﷺ نے فرمایا " استحیوا من الله حق الحیاء "

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے اتنی شرم کرو جتنی اس سے شرم کرنے کا حق ہے۔ حیاء کو اختیار کرنے کا حکم صرف امت محمدیہ ﷺ

کے لئے نہیں بلکہ امم سابقہ میں بھی حیاء کی حیثیت مسلمہ حقیقت تھی۔

جب حیاء ختم ہوجائے: ارشاد نبوی ﷺ ہے: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان مما ادرک الناس من کلام النبوۃ الاولی اذا لم تستحی فاصنع ماشئت (رواہ البخاری)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کررہے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا لوگوں نے پہلے انبیاء پر اترنے والے کلام میں سے جو بات پائی ہے وہ یہ ہے کہ جب تو بے شرم ہوجائے جو دل چاہے پھر کرو'' وہ جو چاہے کرے یہ مطلب نہیں کہ ایسے شخص کو اسلام نے کھلی چھٹی دی کہ اب جو چاہے کرسکتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ گناہوں سے جو چیز منع کرنے والی ہے بعض لوگوں کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ مانع کا خوف اور سبب ختم ہونے کے بعد جب بے حیائی اس کے خمیر میں شامل ہوجائے تو وہ اتنا جری ہوجاتا ہے کہ اس کی نظر میں گناہ گناہ ہی نہیں ہوتا' ہر وہ کام جو بے شرمی کا کرنا چاہے ڈھٹائی اور جرات سے کرتا جاتا ہے۔ اسے کوئی احساس نہیں ہوتا کہ میں جو کچھ کررہا ہوں' عام مسلمانوں کی نظروں میں میری کیا حیثیت رہ گئی ہے۔ یہ مشاہدہ آپ حضرات اس دور اور ایسے ملک میں جس کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے کے بازاروں اور شہروں میں روزانہ کرتے رہتے ہیں کہ غیر محرم مردوں اور عورتوں کا ہر جگہ بے ہودہ اختلاط ہے' شرم وحیاء کا تصور ختم ہوگیا۔ مغربی معاشرہ کی نقالی میں گھر سے باہر نکلنے والی عورتوں نے فیشن کی آڑ میں ایسا لباس پہننا اپنے لئے امر ضروری جانا کہ اس سے نہ بدن کا پردہ ہوسکتا ہے' اور نہ بدن کے رنگ ڈھنگ کو چھپایا جاسکتا ہے۔

جہنم جانے والی عورتیں: امام الانبیاء ﷺ نے ایسے لباس سے اپنے آپ کو خوشنما ظاہر کرنے والی عورتوں کے بارہ میں فرمایا ہے ''کاسیات عاریات'' کہ بظاہر لباس میں ملبوس ہوں (اگر ننگا ہونے کا اعتراض کریں فوراً کہہ دیں گی کہ کپڑا پہنا ہے) مگر وہ لباس ایسا ہوگا کہ پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ اور ایسی عورتوں کی جگہ جہنم میں ہوگی۔ حالات اس نہج پر پہونچنے کی وجہ یہی کہ جس حیاء کو اسلام نے اپنانے کا حکم دیا ہے' اکثر لوگ اس کو اپنے اوپر لاگو کرنے اور اپنانے کے لئے تیار ہی نہیں۔ اس بے حیائی اور بے شرمی کا مقابلہ نیکی' پاک سیرت اور حیاء سے کوشش کرنی ہوگی تاکہ سلسلہ مزید بڑھنے کی بجائے یہ بے شرمی تھم کر ختم ہوجائے کہیں بقول عبداللہ ابن عمرؓ آنحضرت کے اس فرمان کے مستحق قرار نہ پائیں کہ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اذا اراد ان یھلک عبداً نزع منہ الحیاء (الحدیث) ترجمہ: ابن عمر حضور ﷺ سے روایت کررہے ہیں کہ آپ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے حیاء کی وصف چھین لی جاتی ہے۔ اللہ ہمیں اس عذاب سے محفوظ رکھے' اور ایمان کے اس اہم شعبہ حیاء پر قائم ودائم رکھے۔

آزادی کا ہیضہ: بقول حکیم الامت حضرت تھانویؒ آج کل آزادی کا ہیضہ اس قدر پھیل چکا ہے کہ بعض جدت پسندوں کا مطالبہ ہے کہ انسان کو کسی حکم کا پابند نہ رکھا جائے' یہ آزادی رائے وخیال تمام اخلاقی اقدار کو روند کردینے سے

گزر کر دنیا میں مطلق العنانی چاہتے ہیں ان کے نزدیک قانون فطرت وشریعت اور قانون مملکت کی کوئی حیثیت نہیں سب فضول ہیں۔ بالکل جانوروں کی طرح تمام شرائط اور قیود سے آزاد زندگی گزارنا چاہتے ہیں کس قدر بے حیائی ہے اگر حیاء کا خیال نہ بھی رکھا جائے پھر بھی ایسی آزادی فطرت سلیم کے خلاف ہے۔

خاتم الانبیاء کا جہاد: خاتم الانبیاء والرسل جو تمام پیغمبروں کے آخر میں تشریف لائے مگر اوصاف وکمالات کے لحاظ سے سب سے اکمل وافضل ہیں، ان کی صفت حیا کی کیفیت کا اظہار اس حدیث سے ہوتا ہے۔

وعن ابی سعید الخدریؓ قال کان النبی ﷺ اشد حیاء من العذراء فی خدرھا فاذا رأی شیئا یکرھہ عرفنا فی وجھہ (بخاری ومسلم) ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیاء تھے۔ جب کوئی مزاج کے خلاف (غیر پسندیدہ یا غیر شرعی) بات پیش آتی تو ہم آپ ﷺ کے چہرہ اقدس سے آپ ﷺ کی ناگواری کو محسوس کر لیتے۔

حیاء ان پر اس قدر غالب تھی کہ غیر مناسب بات کا اظہار زبان سے نہ کرتے بلکہ ناگواری اور بری بات کے اثرات آپ کے چہرے پر ظاہر ہو جاتے تھے، صحابہ کرامؓ جو آنحضرت ﷺ کے سب سے زیادہ مزاج شناس تھے، چہرے کے تغیر سے آپ کی ناگواری اور خفگی کو محسوس کر لیتے۔ اس حدیث میں جہاں شریعت کی رو سے شرم وحیاء کو اخلاق نبوی ﷺ کی اساسی حیثیت حاصل ہے وہاں امت کو یہ بھی تلقین ہے کہ اپنے اندر حیاء کے وصف کو پیدا کرنا چاہیے۔ حضور ﷺ کے اس حیاء کا تعلق صرف ان کی ذات تک محدود نہ تھا بلکہ دوسرے باحیاء فرد کے حیاء کی وصف کو اہمیت دے کر اس کی قدر کرتے۔

شرم وحیاء کا مجسمہ: حضرت عثمانؓ بن عفان جن سے آنحضرت ﷺ کی دو بیٹیوں کی شادی ہوئی، پہلے حضرت رقیہؓ ان کی وفات کے بعد حضرت ام کلثومؓ انکے عقد میں آئیں۔ اس شان وعظمت والے خوش نصیب کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا **لکل نبی رفیق ورفیقی فی الجنۃ عثمان** یعنی ہر نبی کا ایک مہربان دوست ہوتا ہے اور میرے دوست اور ساتھی جنت میں عثمانؓ ہیں، انکی حیاء مسلمانوں میں ضرب المثل کی مانند ذکر ہوتی۔ شرم وحیاء کا مجسمہ تھے ایک موقع پر آنحضرت گھر میں رانیں یا پنڈلیاں کھول کر لیٹے۔ اتنے میں کسی نے حضرت ابوبکرؓ کے اندر آنے کی اجازت مانگنے کا عرض کیا۔ حضورؐ نے اسی حالت میں داخلہ کی اجازت دی، کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ نے آکر دروازے پر اجازت کی درخواست پیش کی انکو بھی اسی آرام گاہ میں آنے کا فرمایا۔ پھر تیسرے داخلہ کی اجازت مانگنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔ آنحضرت ﷺ انکا نام سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے بدن پر کپڑے درست کر لئے۔ مبارک ٹانگوں کے جن حصوں پر کپڑا نہ تھا، ڈھانپ کر انکو اندر آمد کی اجازت دی۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے آنے پر بے تکلف انداز میں لیٹنے اور حضرت عثمان کے داخل ہونے پر کپڑوں وغیرہ درست کرنے اور اہتمام کی وجہ پوچھی۔ سرکار دو عالم

ﷺ نے فرمایا: الا استحی من رجل یستحیی منه الملائکته کیا میں اس شخص سے حیاء نہ کروں جس سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔ حیاء فرشتوں کی اعلیٰ ترین صفت ہے جو سردار انبیاء کے ان الفاظ کے ذریعے حضرت عثمانؓ میں ثابت کی گئی اور حضور اکرم کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی جو عزت اور جلالت شان تھی اسکا بھی اظہار ہے' صحابہ کرام جو سب کے سب اعلیٰ ترین اخلاق کے نمونے تھے مرشد کامل ﷺ جس صحابی کے طبیعت پر جس وصف کا غلبہ ہوتا اسی طرح سلوک بھی اس سے فرماتے۔ حضرت عثمان پر چونکہ حیاء عفت کے صفت کا غلبہ تھا اسلئے آنحضرت ﷺ ہر موقع پر انکے اسی صفت کا خیال رکھتے تھے

اخلاق حسنہ کا اعلیٰ جوہر: اخلاق حسنہ انسان کیلئے لازمی قرار دیتا ہے کہ اس میں اپنے خالق و مالک کے اسماء کا ظہور ہو جیسے کہ اللہ قدیر' جبار' مقتدر ماہر' غالب ہیں تو اسکے حقیقی بندوں میں شجاعت اور بہادری کی صفت ضرور موجود ہونی چاہیے۔ یہ وصف انسان کے اخلاق کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی شجاعت کے ناطے انسان میں سچ وحق بات کہنے اور دشمن کا دفاع اور مقابلہ بہادری اور استقلال سے کرنے کی صلاحیت پیدا ہو کر دشمن کے آگے سینہ سپر ہو کسی موقع پر بزدلی' ذلت اور شکست کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ اخلاق حسنہ کا یہ اعلیٰ جوہر تمام انبیاء میں اعلیٰ انداز میں موجود تھا اس کی بدولت ان کو دین دشمنوں پر غلبہ اور ادیان حقہ کا بول بالا رہا۔ ختم الرسل ﷺ جو کہ تمام انبیاء کے امام اور سردار تھے' تو اسی صفت شجاعت میں بھی کمال و تمام انہی پر ہوا۔ کئی غزوات میں سخت ترین' آزمائش کے بھرپور مراحل آئے' جانثار صحابہ میں بھی وقتی طور پر مخالفین کے افرادی قوت کی زیادتی اور ان کے پاس آلات حرب کے بہتات سے پریشان ہو جاتے تو حضو ﷺ کے پاس دوڑ کر ان کی بہادری اور استقامت کا اقرار ان الفاظ سے کرتے۔

بے مثال حسن اور باکمال شجاعت: حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ کان النبی ﷺ احسن الناس واشجع الناس واجود الناس یعنی آپ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین' تمام لوگوں سے بڑھ کر بہادر اور سب سے زیادہ سخی اور جود کرنے والے تھے' غزوہ حنین میں ایک موقع ایسا آیا کہ بعض مجاہدین کے پاس وسائل کی کمی تھی کہ اچانک بنو ہوازن جو ماہر تیر انداز تھے' انکا ہر وار نشانے پر لگتا۔ صحابہ پر تیروں کی بارش کر دی۔ صحابہؓ دشمن کا مقابلہ مضبوطی سے نہ کرنے کی وجہ سے آنحضرت کے پاس آئے۔ آپ اس وقت اپنے سفید خچر پر سوار تھے۔ ابو سفیان بن حارث خچر کی لگام پکڑے آگے تھے' حضورؐ جنگ کا پریشان کن مرحلہ اور صحابہؓ کی گھبراہٹ دیکھ کر خچر سے اترے اللہ سے مدد کی دعا کی۔ اور فرمایا انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب یعنی میرے نبی ہونے میں کوئی شک اور جھوٹ نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ حضو ﷺ کی شجاعت' ہمت اور استقامت سے بکھرے ہوئے صحابہؓ نئے جوش ولولہ کے ساتھ ازسر نو منظم ہو کر آپ نے دوبارہ صف بندی فرمائی' وہ عمل جو فرار کی صورت اختیار کر رہا تھا۔ حضو ﷺ کی شجاعت کی بدولت استقامت کی صورت میں تبدیل ہوا۔ اسی کے سبب بظاہر غالب آنے والا دشمن شکست فاش سے دوچار ہوا۔

اس واقعہ میں براء ابن عازب کا یہ جملہ ہم جیسے کم ہمت' دشمن سے مرعوب ہونے والے لوگوں کے جھنجھوڑنے اور عبرت کے لئے اعلان عام ہے کہ اگر غلبہ حاصل کرنا ہے تو اللہ نے جو اسوہ اور نمونہ ہمارے لئے بھیجا ہے ان کے اوصاف اپنے اندر پیدا کریں' وہ جملہ یہ ہے **کنا واللہ اذا احمر البأس نتقی بہ وان الشجاع منا الذی یحاذی بہ یعنی النبی** ﷺ خدا کی قسم جب لڑائی سخت ہوتی (اور ہم دشمن کے دباؤ میں ہوتے تو آنحضرت کے پاس پہونچ کر اپنی حفاظت کرتے بلاشبہ ہم میں بہادر وہ شخص ہوتا جو آنحضرت کے برابر کھڑا ہوتا۔ جیسے کہ پہلے حضرت انسؓ کی روایت میں عرض کر چکا ہوں کہ حضور ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی' حسین' بہادر تھے' آگے فرماتے ہیں: **ولقد فزع اهل المدنیة ذات لیلة قبل الصوت فاستقبلهم النبی** ﷺ **قد سبق الناس الی الصوت ' وهو یقول لم تراعوا لم تراعوا وهو علی فرس لابی طلحه عری ماعلیه سرج وفی عنقه سیف فقال لقد وجدته بحرا (بخاری ومسلم)** ترجمہ: ایک رات کہ مدینہ کے لوگوں نے (کسی جانب سے چور ڈاکو یا دشمن کی آواز سنی) سب پریشان ہوکر (ایک دوسرے کو آوازیں کرنے لگے) کچھ لوگ اسی آواز کی طرف جانے کیلئے روانہ ہوئے۔ وہاں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو اکیلے موجود پایا۔ تن تنہا آواز کی طرف پہونچے تھے' آپ نے سب لوگوں کو مطمئن کردیا کہ کوئی خطرہ نہیں اس وقت ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے۔ جو ننگی پیٹھ تھا' زین اس پر نہیں تھی۔ نیز آپ ﷺ کے گردن مبارک میں تلوار پڑی تھی فرمایا میں نے اس گھوڑے کو دریا کی طرح تیز رو پایا۔ یہ ہے ہمارے آقا اور محبوب رب العالمین کی جرأت اور دلیری جسکی نظیر نہ ابھی تک پیدا ہوسکی نہ قیامت تک کوئی قوم' مذہب اور تہذیب پیش کرسکے گی۔

<u>اخلاق حسنہ کا نمونہ:</u> معزز حاضرین چار ہفتوں سے اخلاق حسنہ قرآن مجید کی آیات اور آنحضرت کے کردار واقوال کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی' ان اخلاقی خوبیوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کے کلیات وجزئیات کی تشریح اور وضاحت کے لئے علمی استعداد' معلومات اور عمر دراز بھی ناکافی ہے۔ ان تمام اخلاق کا مجموعہ اور نمونہ ذات اقدس ﷺ ہی تھے۔ ہمیں چاہیے کہ جن اعمال حسنہ کو انہوں نے اپنایا ہے اسے اپنے آپ پر جاری وساری رکھیں' اور جن اعمال کے ارتکاب سے انہوں نے منع فرمایا۔ سختی سے ان سے اجتناب کریں۔ انسان کو یہ بلند وبالا مقام اسی اخلاق کے بدولت حاصل ہوا۔ پستی اور ذلت کی وادیوں سے نکل کر عروج اور قدر ومنزلت اسی کی بدولت نصیب ہوا۔ اب بھی اگر ہم اپنی روبہ تنزل مقام کو سہارا اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا مرتبہ حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لئے شرط یہ ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کے اخلاق حسنہ کی دل وجان سے اتباع کریں۔

رب العزت مجھے اور آپ سب کو حضور ﷺ کے اس دعا کہ **اللهم انت حسنت خلقی فحسن خلقی** (ترجمہ: یا اللہ آپ نے میری بناوٹ اچھی بنائی تو میری عادت کو بھی اچھی بنا) کا مصداق بنادیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

ہری ہوگئی کھیتی ساری خدا کی

پیغمبروں کی جماعت:

پیغمبروں کا گروہ ایجاد واکتشاف کا دعویٰ نہیں کرتا نہ وہ علوم میں مہارت کا مدعی ہے نہ اس کو ادب وشاعری پر ناز ہے وہ اپنے متعلق نہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں نہ بے ضرورت خاکساری سے وہ بڑی صفائی اور سادگی سے کہتے ہیں کہ وہ دنیا کو تین چیزیں عطا کرتے ہیں۔ ا۔ صحیح علم ۲۔ اس علم پر یقین۔ ۳۔ اس علم پر عمل کرنے اور یقین کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ اور خواہش۔ یہ ہے حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ تک کی تعلیم کا نچوڑ۔

پیغمبر کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا؟ اس کے معلوم کئے بغیر ہمارا ہر قدم غلط ہے ہم کو اس دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں اس لیے کہ اس زندگی میں جو کچھ ہو رہا ہے چلنا، پھرنا، کھانا، پینا وہ سب اس عظیم کل کا ایک حقیر جزء ہے جب تک کہ ہم کو اس کائنات کا مرکز معلوم نہیں اور ہم اس کے مقصد کلی سے اتفاق نہیں رکھتے ہم کو اس کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ اس کے بغیر تو روٹی کا ایک ٹکڑا توڑنا حرام ہے، آپ کے اور اس کائنات کے دوسرے جزء کے درمیان کس نے ربط پیدا کیا اسی خالق کائنات نے اور اسی مقصد کلی نے! اگر آپ اس خالق کائنات کو نہیں جانتے یا نہیں مانتے ہیں اس مقصد کلی سے آپ کو اتفاق نہیں ہے تو آپ کو اس کائنات کے کسی ذرہ یا دوسرے جزء سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ اگر روٹی کا وہ ٹکڑا جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ سے سوال کرے کہ میں نے تو اپنے خالق کو پہچان لیا اور اس کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مخدوم کے لیے اپنے وجود کو قربان کر دیا لیکن اے انسان! تو نے نہ اپنے خالق کو جانا نہ اس کی بندگی کی، تجھے مجھ سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اس دنیا کی کسی چیز کا استعمال غلط ہے، جب تک یہ جان نہ لیا جائے کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اسکا مقصد کیا ہے؟ مگر یہ عجیب ٹریجڈی ہے کہ آج دنیا میں تمام کام ہو رہے ہیں، بازار میں چہل پہل ہے، تعلقات قائم ہو رہے ہیں، سواریاں چل رہی ہیں، بڑے بڑے کام ہو رہے ہیں مگر کسی کو یہ معلوم کرنے کی فرصت نہیں کہ جس دنیا میں یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ جب پیغمبر دنیا میں تشریف لائے، انسانیت کی گاڑی بے مقصد جا رہی تھی فلاسفہ وعلماء، ادباء وشعراء، فاتحین وحکمرانوں، کاشتکاروں اور تاجروں کو اپنے

کاموں سے فرصت نہ تھی، حاکم بھی تھے اور محکوم بھی تھے، ظالم بھی تھے اور مظلوم بھی تھے، مگر سب اصل مقصد سے غافل اور اپنے پیدا کرنے والا سے ناواقف، ان چھوٹے چھوٹے بالشتی جیسے انسانوں میں ایک بلند قامت انسان آتا ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں انسانیت کی باگ ڈور تھی ان سے سوال کرتا ہے کہ جواب دو کہ تم نے انسانیت پر یہ ظلم کیا ہے کہ ان کو اپنے مالک اور اس دنیا کے بادشاہ سے ہٹا کر اپنا غلام بنالیا ہے تم کو کیا حق تھا کہ نابالغ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر تم نے اس کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے، اے ظالم ڈرائیور! تو نے مسافروں نے پوچھے بغیر زندگی کی گاڑی کس طرف چلانی شروع کردی، وہ زندگی کے قلب وضمیر میں کھڑے ہوکر انسانیت کو خطاب کرتا ہے اور اسکو پکارتا ہے، اس کے سوال کو ٹالا نہیں جاسکتا، اس کی دعوت اور اس کی پکار پر دو گروہ ہوجاتے ہیں ایک ان کی بات مانتا ہے ایک انکار کرتا ہے۔ دنیا کو ان دونوں راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

پیغمبر کی راست گوئی:

پیغمبر کبھی نہیں کہتے کہ ہم قدرت کے راز ہائے سربستہ کا انکشاف کرنے آئے ہیں ہم طبعی طاقتوں کو مسخر کرنے آئے ہیں، ہم کچھ نئی ایجادیں کریں گے وہ جغرافیہ ومعدنیات میں مہارت کا دعویٰ نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا کے بنانے والے ہیں بگاڑنے والے نہیں اور اس کی ذات وصفات کا صحیح علم عطا کرتے ہیں جو ہم کو اس دنیا کے مالک نے اور انسان کے خالق نے عطا کیا ہے اور اب ہمارے ہی ذریعہ سے وہ دوسروں کو مل سکتا ہے۔

وہ بتاتے ہیں کہ اس دنیا کا بنانے والا ایک ہے اور اسی کی مرضی وحکمت سے یہ دنیا چل رہی ہے، وہ بلا شرکت غیرے اس کو چلا رہا ہے، یہ دنیا بے مقصد نہیں پیدا کی گئی اور نہ بے مقصد چل رہی ہے اس زندگی کے بعد دوسری زندگی ہوگی جس میں اس پہلی زندگی کا حساب دینا ہوگا، وہاں اچھے اعمال کا انعام ملے گا، برے اعمال کی سزا ملے گی، قانون لانے والے اور خدا کا منشا بتلانے والے پیغمبر ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم میں آئے اور خدا کا پیغام لائے خدا کا راستہ ان کے بغیر طے نہیں ہوسکتا، یہ وہ باتیں ہیں جن پر تمام پیغمبر متفق ہیں ان میں کسی قسم کا اختلاف نہیں فلاسفہ وحکماء میں سخت اختلاف ہے ان میں سے دو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں لیکن یہاں کسی ایک بات پر بھی دو پیغمبروں میں اختلاف نہیں۔

لیکن علم کے لیے یقین ضروری نہیں آج ہمارے معلومات کتنے زیادہ ہیں مگر ہمارا یقین کتنا کم ہے علم ہمیشہ یقین پیدا نہیں کرتا قدیم زمانہ کے فلاسفہ میں سے بہت سے یقین سے محروم تھے اور شک کے مریض، آج بھی ان کا علم یقین پیدا کرنے کے بجائے الٹا شک پیدا کرتا ہے، آج بھی بڑے بڑے صاحب علم یقین کو ترستے ہیں، انبیاء کرام تنہا صحیح علم نہیں دیتے تھے اس پر یقین بھی عطا کرتے تھے، علم بڑی دولت ہے مگر اس پر یقین اس سے بڑی دولت ہے علم بغیر

یقین کے زبان کی ورزش ہے دماغ کا تعیش اور دل کا نفاق، پیغمبروں نے اپنے ماننے والوں کو صحیح علم عطا کیا اور مضبوط یقین، اور انہوں نے جو کچھ جانا اس کو مانا پھر اپنے کو اس پر قربان کردیا، انکے دماغ اس علم سے روشن ہوئے اور انکے دل اس یقین سے طاقتوران کے یقین کے قصے تاریخ میں پڑھیے، انکے یقین کے نتائج اپنی گردوپیش کی دنیا میں دیکھئے۔

آج اگر یقین ہوتا تو بداخلاقی کیوں ہوتی؟ ظلم کیوں پھیلتا؟ رشوت کا بازار کیوں گرم ہوتا؟ کیا یہ تمام خرابیاں اس لیے ہیں کہ علم نہیں لوگوں کو معلوم نہیں کہ چوری جرم ہے؟ رشوت حرام ہے، گرہ کٹی بداخلاقی ہے؟ یہ کون کہہ سکتا ہے؟ ہم تو دیکھتے ہیں جہاں علم زیادہ ہے وہاں خرابیاں بھی زیادہ ہیں جو لوگ رشوت کی برائی پر کتاب لکھ سکتے ہیں اسکی تاریخ مرتب کرسکتے ہیں وہ زیادہ رشوت لیتے ہیں جو چوری کی خرابی سے اور اس کے انجام سے زیادہ واقف ہیں وہ چوری زیادہ کرتے ہیں گرہ کٹوں کو دیکھئے ان میں سے بہت سے ایسے ملیں گے جو گرہ کٹی کے الزام مین کئی کئی بار سزا بھگتے ہوئے ہیں کیا ان سے زیادہ کوئی گرہ کٹی کے انجام اور سزا سے واقف ہوگا اگر صرف علم کافی ہوتا تو چوری کے سزا کے بعد چوری چھوٹ جاتی، اور ایک بار جرم کرنے کے بعد اور سزا بھگتنے کے بعد کوئی دوبارہ جرم نہ کرتا لیکن ایسا نہیں ہورہا ہے معلوم ہوا کہ علم تنہا کافی نہیں۔

پھر علم ضروری اور یقین ضروری مگر اس کی کیا ضمانت کہ اس پر عمل کا تقاضا بھی پیدا ہوگا بہت سے لوگ جانتے بھی ہیں اور یقین بھی رکھتے ہیں کہ شراب بہت بری چیز ہے اس کے نقصانات کا تجربہ بھی ہے یقین بھی مگر پیتے ہیں آپ کے شہر میں بہت سے ڈاکٹر، حکیم ہوں گے جو بدپرہیزی کرتے ہیں ان کو یقین ہوتا ہے کہ بدپرہیزی خطرناک ہے مگر وہ بدپرہیزی کرگزرتے ہیں بات یہ ہے کہ عمل کا تقاضا نہیں ہوتا اور ان کے اندر پرہیز کی خواہش اور بدپرہیزی سے نفرت نہیں پیدا ہوتی، بلکہ بدپرہیزی کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

انبیائے کرام علم ویقین کے ساتھ یہ تیسری طاقت بھی عطا کرتے ہیں یعنی اپنے علم ویقین پر عمل کرنے کی رغبت اور اپنی غلط خواہشات کا مقابلہ کرنے کی طاقت، اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے علم ویقین سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کا ضمیر ان کی نگرانی کرتا ہے اور غلط کام کرنے کے وقت ان کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔

ہر پیغمبر نے یہ تینوں دولتیں اپنے زمانے والوں اور اپنی اپنی امتوں کو عطا کیں اور انکی بدولت لاکھوں انسانوں کی زندگی بن گئی اور زندگی کی چول اپنی جگہ پر آگئی، انسانیت پر حقیقی احسان انہیں پیغمبروں کا ہے اللہ کا درود وسلام ہو ان پر کہ انہوں نے انسانیت کی دستگیری کی اور اس کو عین وقت پر ہلاکت سے بچالیا (علیہم السلام)۔

لیکن رفتہ رفتہ یہ دولتیں دنیا سے ناپید ہونے لگیں علم صحیح گم ہوگیا، یقین کا چراغ بجھ گیا نیک عمل کی خواہش

مردہ ہو گئی چھٹی صدی مسیحی آئی تو یہ تینوں دولتیں اتنی نایاب ہو چکی تھیں کہ ان کا سراغ لگانا مشکل تھا، پورے پورے ملک اور پورے پورے براعظم میں ڈھونڈنے سے بھی ایک اللہ کا بندہ نہ ملتا جو علم صحیح اور ایمان قوی کی دولت سے مالا مال ہو، اور انبیاء کا لایا ہوا دین اور پھیلایا ہوا یقین سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ بن گیا، شک و بے عملی کی ظلمتوں میں علم و یقین کا یہ نور اس طرح کہیں کہیں چمکتا تھا جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتے ہیں، اہل یقین کا ایسا قحط تھا کہ ایران کا ایک نوجوان سلمان فارسی یقین اور حسن عمل کی تلاش میں نکلتا ہے تو ایران سے شام اور وہاں سے حجاز پہنچ جاتا ہے اور ان تینوں ملکوں میں اس کو صرف چار صاحب یقین ملتے ہیں۔

اس گھٹاٹوپ اندھیرے اور اس عالمگیر ظلمت میں خدا کا آخری پیغمبر آتا ہے وہ ان تینوں دولتوں کو اتنا عام کر دیتا ہے کہ اس سے پہلے کبھی اتنی عام نہیں ہوئی تھیں جو دولت کسی کسی سینے اور کسی کسی سفینہ میں تھی جو گھروں سے نکل کر محلوں میں بھی اور محلوں سے نکل کر شہروں میں بھی نہیں پھیلی تھی وہ گھر گھر عام ہو جاتی ہے اور مشرق سے لے کر مغرب تک پھیل جاتی ہے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی ہری ہو گئی کھیتی ساری خدا کی

وہ ان تینوں حقیقتوں کی تلقین ہی نہیں کرتا ان کا صور پھونک دیتا ہے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی کان والا ایسا نہیں جو کہہ سکے کہ اس نے اس صور کی آواز نہیں سنی اور جس نے نہیں سنی اس کے کان کا قصور ہے اس کے اعلان کا قصور نہیں، آج دنیا کا کون سا گوشہ ہے جہاں ''**اشهد ان لا اله الا الله**'' اور ''**اشهد ان محمد رسول الله**'' کا ترانہ سننے میں نہیں آتا، جب دنیا کی تمام آوازیں تھک کر سو جاتی ہیں جیتے جاگتے شہر پر موت کی سی نیند طاری ہو جاتی ہے جب زبانوں پر قفل پڑ جاتے ہیں اس وقت بھی کانوں میں یہی صدا آتی ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد رسول اللہ، اللہ کے پیغمبر ہیں۔

آج ریڈیو کے ذریعہ دنیا کے کونہ کونہ میں آواز پہنچتی ہے اور گھر گھر پیغام پہنچ جاتا ہے لیکن کیا کسی ریڈیو نے خواہ وہ امریکہ کا ہو خواہ برطانیہ عظمی کا کسی حقیقت کو کسی علم کو اس طرح دنیا میں عام کیا، جس طرح یہ علم عام ہوا ہے جس کی صدا عرب کے نبی امی نے کوہ صفا پر چڑھ کر لگائی تھی۔

انسان کبھی ترنگ میں آتا ہے اور طفلانہ معصومیت کے ساتھ اپنے مالک سے کچھ کہنے لگتا ہے ایسی ہی ترنگ میں اقبال نے انسانوں کی طرف سے اپنے مالک کی بارگاہ مین عرض کیا تھا:

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد!

اگر آج محمد رسول اللہ کا ایک ادنیٰ غلام عرض کرے تو کیا بیجا ہے کہ خدایا تیری خدائی برحق! تو محمد رسول ﷺ کا

خالق اس ساری دنیا کا خالق و مالک اور ہر شے پر قادر ہے! لیکن کیا تیرے بندوں اور تیری مخلوقات میں سے کسی نے تیرا نام اس طرح پھیلایا اور دنیا کے کونہ کونہ میں پہنچایا جس طرح تیرے بندے اور پیغمبر محمد رسول ﷺ نے؟!

یہ کوئی بے ادبی اور سرکشی نہیں اس میں بھی تعریف اسی خدا کی ہے جس نے محمد ﷺ جیسا پیغمبر بھیجا اور انکو اپنا نام پھیلانے اور اپنا دین چمکانے کی یہ طاقت اور توفیق عطا فرمائی!۔

آنحضرت ﷺ نے بدر کے میدان میں جب اپنی ۱۴۔۱۵ سال کی کمائی اللہ کے دین کی مدد کے لیے سامنے رکھ دی اور ۳۱۳ کو ایک ہزار کے مقابلہ میں لا کھڑا کر دیا تو زمیں پر سر رکھ کر اپنے مالک سے یہی کہا تھا ''اے اللہ اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو آج ہلاک کر دینے کا فیصلہ فرماتا ہے، تو قیامت تک تیری عبادت نہ ہو سکے گی''۔

آنحضرت ﷺ نے توحید کی جو صدا لگائی تھی اس سے دنیا کا کوئی مذہب کوئی فلسفہ اور کوئی دماغ غیر متاثر نہیں رہا جب سے دنیا نے سنا کہ انسان کے لیے خدا کے سوا کسی اور اس کے سامنے جھکنا ذلت اور عار ہے خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے اس لیے جھکایا تا کہ سب سجدے اس کی اولاد پر حرام ہو جائیں، وہ سمجھ لے کہ جب اس کارخانہ قدرت کے کارندے ہمارے سامنے جھکا دیئے گئے تو ہم کو اس دنیا کی کسی چیز کے سامنے جھکنا کب زیب دیتا ہے، جب سے دنیا نے توحید کی حقیقت اور انسان نے اپنی یہ حیثیت سنی اس وقت سے شرک خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو گیا اس کو احساس کمتری نے گھیر لیا۔

آپ کو بعثت محمد ﷺ کے بعد اس کے لہجہ میں فرق محسوس ہوگا، اب وہ اپنے عمل پر نازاں نہیں وہ اس کی تاویل اور فلسفیانہ تعبیر کرتا ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ توحید کی آواز نے دل میں گھر کر لیا ہے، پھر محمد رسول ﷺ نے اس علم و یقین کے ساتھ وہ طاقت بھی پیدا کر کے دکھا دی جس میں ہزار پولیس، سیکڑوں عدالتوں اور بیسیوں حکومتوں سے زیادہ طاقت ہے، یعنی ضمیر کی طاقت، نیکی کی رغبت، گناہ سے نفرت اور نفس کا خود احتساب۔

یہ اسی طاقت کا کرشمہ تھا کہ ایک صحابی جس سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے وہ بیتاب ہو جاتے ہیں ضمیر [illegible]س لینے لگتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں حضور ﷺ مجھ کو پاک کر دیجئے، آپ [illegible]نہ پھیر لیتے ہیں وہ اسی طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں آپ دوسری طرف رخ کر لیتے ہیں وہ اس طرف آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ تحقیق کرواتے ہیں ان کی دماغی حالت خراب تو نہیں؟ جب معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی ہیں تو آپ اس کو سزا دلواتے ہیں بتائیے کس چیز نے انکو سزا پر آمادہ کیا اور کون سی چیز ان کو خود کھینچ کر لائی۔

آگے چلئے غامدیہ ایک اَن پڑھ عورت تھیں، کسی دیہات کی رہنے والی وہ ایک بڑے گناہ میں مبتلا ہو جاتی ہیں نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ سننے والا مگر ان کے دل میں ایک پھانس تھی جو ان کو چین نہ لینے دیتی تھی۔ ان کو کھانے پینے

میں مزانہ آتا تھا وہ کھانا کھاتیں تو ان سے دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، پانی پیتیں تو ان کا دل کہتا کہ تم ناپاک ہو، ناپاک کیا کھانا پینا؟ تمہیں پہلے پاک ہونا چاہئے، اس گناہ کی پاکی سزا کے بغیر ممکن نہیں وہ خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں اور تقاضا کرتی ہیں کہ ان کو پاک کر دیا جائے اور اس پر اصرار کرتی ہیں۔ یہ معلوم کر کے ان کے پیٹ میں بچہ ہے، آپ فرماتے ہیں کہ اس بچہ کا کیا قصور، اس کی جان تمہارے ساتھ کیوں جائے، جب بچہ ہو جائے جب آنا، خیال کیجئے ان کو ضرور اس میں کچھ عرصہ لگا ہوگا۔ کیا اس میں انہوں نے کھایا پیا نہ ہوگا، کیا زندگی نے خود ان سے زندگی کا تقاضا نہ کیا ہوگا، کیا خود کھانے اور پینے کی لذت نے زندگی کی رغبت نہ پیدا کی ہوگی اور ان کو یہ نہ سمجھایا ہوگا کہ وہ اب حضور ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ فسخ کر دیں مگر وہ اللہ کی بندی پکی رہی اور کچھ عرصہ کے بعد بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا کہ حضور ﷺ میں اس سے بھی فارغ ہوگئی۔ اب میری طہارت میں کیوں دیر ہو فرمایا نہیں نہیں؟ یہ بچہ اللہ کی امانت ہے اس کو کون ماں کی طرح دودھ پلائے گا، ابھی اسکو دودھ پلاؤ جب وہ دودھ چھوڑے جب آنا آپ کو معلوم ہے کہ اس کو دو برس ضرور لگے ہوں گے یہ دو برس کیسی آزمائش کے تھے، نہ پولیس تھی، نہ نگرانی، نہ مچلکہ، نہ ضمانت، کتنے خیال اس کو آئے ہوں گے، بچہ کی معصوم صورت اس کو جینے کی دعوت دیتی ہوگی، اس کی مسکراہٹ زندگی کی خواہش پیدا کرتی ہوگی اور بچہ اپنی زبان بے زبانی سے کہتا ہوگا کہ اماں میں تیری ہی گود میں پلوں گا اور تیری انگلی پکڑ کر چلوں گا مگر اس کا ضمیر کہتا تھا نہیں تیری ماں ناپاک ہے اس کو سب سے پہلے پاک ہونا ہے دل کا یقین کہتا تھا کہ احکم الحاکمین کے یہاں جانا ہے وہاں کی سزا سخت ہے وہ پھر حاضر ہوتی ہے روٹی کا ٹکڑا بچے کے منہ میں ہے اور کہتی ہے یارسول اللہ ﷺ دیکھئے اس بچہ کا دودھ بھی چھوٹ گیا اور وہ روٹی کھانے کے قابل ہوگیا اب میری پاکی میں کیا دیر ہے۔ آخر خدا کی اس سچی اور پکی بندی کو سزا دی جاتی ہے اور حضور ﷺ خوشنودی کا پروانہ عطا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اس اکیلی کی توبہ اگر سارے مدینہ پر تقسیم کر دی جائے تو سب کے لیے کافی ہو۔

وہ کیا چیز تھی جو بغیر ہتکڑی بیڑی کے بغیر مچلکہ و ضمانت کے بغیر پولیس کے اس کو کھینچ کر لاتی ہے اور سزا کے لیے اصرار کرواتی ہے آج ہزار ہا پڑھے لکھے قابل فاضل مرد اور عورتیں ہیں جن کو علم اور نقصانات کا یقین ان کو غلط کام سے باز نہیں رکھ سکتا اور اچھے کام پر آمادہ نہیں کر سکتا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا کو یہی تینوں انمول موتی عطا کئے علم صحیح، یقین کامل اور نیکی کا تقاضائے قلبی دنیا کو نہ اس سے زیادہ قیمتی سرمایہ ملا، نہ کسی نے اس پر آپ سے بڑھ کر احسان کیا۔

دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہمارے نوع انسان میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا اگر آپ ﷺ نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا اور انسانیت کی شرافت و عظمت کے لیے کس کو پیش

کرتے تھے محمد رسول اللہ ﷺ ہر انسان کے ہیں محمد رسول اللہ ﷺ سے اس دنیا کی رونق اور نوع انسان کی عظمت ہے وہ کسی قوم کی ملک نہیں ان پر کسی ملک کا اجارہ نہیں وہ پوری انسانیت کا سرمایہ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر و مسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اس نوع سے تعلق ہے، جس میں محمد ﷺ جیسا انسان کامل پیدا ہوا۔

آج انسانوں کا کون سا طبقہ ہے جس پر آپ ﷺ کا براہ راست یا بالواسطہ احسان نہیں؟ کیا مردوں پر آپ کا احسان نہیں؟ کہ آپ نے ہم کو مردانگی اور آدمیت کی تعلیم دی، کیا عورتوں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو حقوق بتلائے اور ان کے لیے ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے کیا کمزوروں پر آپ کا احسان نہیں کہ آپ نے ان کو حقوق و فرائض بھی بتلائے اور حدود بھی بتلائے اور انصاف کرنے والوں، اور خدا سے ڈرنے والوں کی بشارت سنائی کہ بادشاہ منصف رحمت کے سایہ میں ہوگا کیا تاجروں پر آپکا احسان نہیں ہے کہ آپ نے تجارت کی فضیلت اور اس پیشے کی شرافت بتلائی اور خود تجارت کر کے اس گروہ کی عزت بڑھائی، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں اور راست گفتار اور دیانت دار تاجر قریب قریب ہوں گے، کیا آپ کا مزدوروں پر احسان نہیں کہ آپ نے تاکید فرمائی کہ مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو، کیا جانوروں تک پر بھی آپ کا احسان نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر وہ مخلوق جو جگر رکھتی ہے اور جس میں احسان و زندگی ہے اس کو آرام پہنچانا اور کھلانا پلانا یہ صدقہ ہے ''فی کل ذات کبد حر صدقة'' کیا ساری انسانی برادری پر احسان نہیں کہ راتوں کو اٹھ کر آپ شہادت دیتے تھے کہ خدایا تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں ''انا شھید ان العباد کلھم اخوة '' کیا ساری دنیا پر آپ کا احسان نہیں کہ سب سے پہلے دنیا نے آپ ہی کی زبان سے سنا کہ خدا کسی ملک قوم نسل اور برادری کا نہیں سارے جہانوں اور دنیا کے سب انسانوں کا ہے، جس دنیا میں آریوں کا خدا، یہودیوں کا خدا، ایرانیوں کا خدا کہا جاتا تھا وہاں الحمد للہ رب العالمین کی حقیقت کا اعلان ہوا اور اس کو نماز کا جزء بنا دیا گیا۔

ہماری آپ کی دنیا میں حکماء و فلاسفہ بھی آئے، ادباء و شعراء بھی، فاتح و کشور کشا بھی آئے، سیاسی قائد اور قومی رہنما بھی، موجدین و مکتشفین (سائنٹسٹ) بھی، مگر کسی کے آنے سے دنیا میں وہ بہار آئی جو پیغمبروں کے آنے سے، پھر سب سے بڑے محمد رسول اللہ ﷺ کے آنے سے آئی، کون اپنے ساتھ وہ شادابی، وہ برکتیں، وہ رحمتیں نوع انسانی کے لیے وہ دولتیں اور انسانیت کے لیے وہ نعمتیں لے کر آیا جو محمد رسول ﷺ لے کر آئے، چودہ سو برس ۱۴۰۰ سے زائد کی انسانی تاریخ پورے وثوق کے ساتھ آپ کو خطاب کر کے کہتی ہے۔

سر سبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو
ٹھہرے جو اس شجر کے تلے وہ نہال ہو

پروفیسر محمد یونس میؤ *

ڈاکٹر حمید اللہؒ اور معاصر شخصیات

(علمی وفکری روابط)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹فروری ۱۹۰۸ء۔۱۷دسمبر۲۰۰۲) کا شمار اس صدی کے بڑے عالموں میں ہوتا ہے۔آپ اس صدی کے ممتاز ترین محقق بھی تھے۔اور اگر ہم اپنے تہذیبی اور مذہبی روابط سے قطع نظر، مسلکی پابندیوں سے آزاد ہوکر اور جملہ علمی نسبتوں کا احترام کرتے ہوئے آپ کی چھوڑی ہوئی علمی وفکری میراث اور یورپ پر آپ کے دعوتی اثرات کا ایک جائزہ مرتب کریں تو بلاشبہ آپ عالم اسلام کے ممتاز ترین عالم، محقق اور مبلغ قرار پاتے ہیں۔

آپ نے آبائی شہر حیدرآباد جامعہ نظامیہ سے درس نظامی کا امتحان پاس کیا۔۱۹۳۰ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے ایم اے، ایل ایل بی کیا۔یہیں سے ''قانون بین المسالک'' کے عنوان سے اپنی تحقیقات کا آغاز کیا۔بون یونیورسٹی جرمنی سے ۱۹۳۳ء میں ڈی فل کا امتحان پاس کیا۔اور سوربون یونیورسٹی پیرس سے ۱۹۳۵ء میں ڈی لٹ اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔حیدرآباد تشریف لائے اور مادر علمی میں ۱۹۴۸ء تک تدریس وتحقیق کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔حیدرآباد دکن برطانوی ہند کی سب سے بڑی ریاست تھی اس کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ اور رقبہ ۸۲ ہزار مربع میل تھا اس کی سالانہ آمدنی ۲۶ کروڑ روپے تھی، اس کی اپنی کرنسی اور ڈاک ٹکٹ تھے، اپنے مالی وسائل کی وجہ سے یہ ریاست ایک آزاد ملک بننے کی صلاحیت رکھتی تھی۔چنانچہ نظام حیدرآباد دکن نے ریاست کو ایک آزاد وخودمختار ریاست کے طور پر قائم رکھنے کا فیصلہ کیا۔دوسری طرف بھارتی حکومت نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لیتے ہوئے نظام پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ اپنا الحاق بھارت سے کرے۔بھارت کو اس کے مذموم عزائم سے باز رکھنے کے لئے نظام نے ۱۹۴۸ء میں ایک وفد ترتیب دیا جو مسئلہ الحاق کو اقوام متحدہ میں پیش کرکے ریاست کے موقف کی وضاحت کرے۔اس وفد میں ڈاکٹر حمید اللہ بھی شامل تھے۔ابھی یہ وفد فرانس ہی میں تھا کہ بھارت نے ریاست حیدرآباد پر ۱۷ستمبر ۱۹۴۸ء کو بزورقوت قبضہ کرلیا۔اس کے بعد کبھی مقبوضہ حیدرآباد تشریف نہ لائے اور نہ ہی کبھی برطانیہ گئے۔

---

* گورنمنٹ کالج آف کامرس پیپلز کالونی گوجرانوالہ

پروفیسر خورشید احمد کے استفسار پر فرمایا: ''میں اس انگلستان کی سرزمین پر قدم نہیں رکھنا چاہتا جس نے میرے آزاد ملک کو بھارت کی غلامی میں دے دیا''

یوں آپ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۶ء تک پیرس میں مقیم رہے۔ ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۰ء میں پاکستان آئے اور ''بورڈ تعلیماتِ اسلام'' اور قرارداد مقاصد کی تیاری کے سلسلہ میں ایک سال قیام کیا۔

دوبارہ صدر ضیاء الحق کی درخواست پر ۱۹۸۰ء میں بہاولپور آئے اور اپنے مشہور ''خطبات بہاولپور'' ارشاد فرمائے۔ جون ۱۹۸۷ء میں ایک بار پھر صدر پاکستان کی درخواست پر ہجرت کانفرنس اسلام آباد میں شرکت کے لئے پاکستان آئے۔ اپریل ۱۹۹۲ء میں آخری بار پاکستان آئے اور چند روز قیام فرمایا۔ ۱۹۹۶ء میں علیل ہوکر امریکہ منتقل ہوئے اور ریاست فلوریڈا کے شہر جیکسن ویل میں انتقال کر گئے۔ آپ کی حیات و خدمات پر بہت زیادہ لکھا گیا۔ اخبارات نے اداریے اور مضامین شائع کئے۔ رسائل و جرائد نے خصوصی نمبر نکالے۔ ان اشاعتوں میں ایک قابلِ ذکر کاوش ماہنامہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد کی خصوصی اشاعت ہے۔ ۶۱۳ صفحات پر مشتمل یہ ایک ضخیم نمبر ہے۔ جس میں شخصیت، جہاتِ علمیہ، مکاتیب، منتخب نگارشات اور مطبوعات و مقالات کے عنوانات کے ذیل میں 26 چھبیس مقالات و مضامین ہیں۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری، پروفیسر خورشید احمد، پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد، ڈاکٹر محمود احمد غازی، پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، ڈاکٹر خالد علویؒ، ڈاکٹر قاری محمد طاہر، ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، ڈاکٹر محمد عبداللہ، حافظ محمد سجاد اور ڈاکٹر خورشید رضوی جیسے نابغہ شامل ہیں۔ روزنامہ نوائے وقت، جنگ، پاکستان اور اسلام نے شاہ بلیغ الدین، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، ارشاد احمد عارف، ہارون رشید، خورشید ندیم، سجاد میر، ڈاکٹر امین اللہ وثیر، ڈاکٹر محمود الحسن عارف، ڈاکٹر طاہر مسعود اور مولانا زاہد الراشدی کے مضامین قلمبند کئے۔ دینی و علمی رسائل و جرائد میں الحق، الشریعہ، نورِ علیٰ نور، لولاک اور تکبیر کے علاوہ ممکن نہیں کہ فکر و نظر اور ترجمان کے حلقے کے لوگوں نے اپنے جرائد میں اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ کیونکہ یہ ایک علمی اور اخلاقی ذمہ داری تھی جو ان عظیم لوگوں نے نبھائی کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جن سے مرحوم کو ملاقات رہی، خط و کتابت رہی، ایک علمی و قلبی تعلق رہا یا پھر یوں کہیے کہ ان حضرات کو آپ کی علمی سرپرستی، رہنمائی اور حوصلہ افزائی حاصل رہی۔ علاوہ ازیں کچھ قابل ذکر لوگ ایسے بھی ہیں جن کا تذکرہ ڈاکٹر حمید اللہ کی علمی زندگی کے حوالہ سے ناگزیر ہے۔ ان میں مولانا ظفر اللہ انصاریؒ، سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع اور مناظر احسن گیلانی خاص قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات سے ملاقاتیں رہیں۔ عقیدت و استفادہ کا تعلق قائم رہا۔ اور استاد و شاگرد کا تعلق اور احترام بھی۔ مناسب ہوگا کہ اس سال کے آخر میں ان حضرات کا تذکرہ کیا جائے جن کو موصوف سے ایک خاص علمی تعلق رہا۔ شاہ بلیغ الدین کو بھی آپ سے علمی و فکری نسبت رہی۔ خط و کتابت رہی، آپ حمید اللہ فیملی کے ایک فرد تصور ہوتے ہیں اس اجمال کی تفصیل شاہ صاحب کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

''کچھ فرزندان جامعہ (عثمانیہ) ایسے تھے جو دور سے پہچانے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک ہی سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر غلام غوث ہیں' وہ محمد فاروق ہیں' یہ شرف الدین صاحب ہیں' اور وہ ڈاکٹر یوسف الدین' مولوی نصیر الدین ہاشمی' یونیورسٹی میں تو نہیں پڑھے لیکن تھے وہ بھی انہیں میں سے کسی منچلے نے اس زمانے میں اس برادری کو کرین فیملی (Crane Family) کا نام دیا' لیکن ہم لوگوں کے آتے آتے اس میں تقدیس کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ ہم لوگ انہیں ڈاکٹر حمید اللہ فیملی کہنے لگے تھے۔ یہ سب اپنی دینداری' شرافت اور عملی رجحانات میں ایک جیسے تھے۔''

شاہ بلیغ الدین سے آپ کی خط و کتابت رہی' شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے جاننا چاہی تو جواب میں تحریر فرمایا: ''آپ کا گلہ درست ہے لیکن گزشتہ جون سے بیماریوں میں وقت گزرا آپ کی کتاب انبار میں گم ہے اور پڑھنے کا فی الوقت امکان نہیں ہے۔ میں وہ نہیں ہوں جو چالیس سال پہلے تھا۔ بوڑھا اور تھکا ہوا انسان ہوں۔ آپ کی لکھی ہوئی کتاب ہے اچھی ہونی چاہیے۔ خدا برکت دے۔''

یہ ایک طویل خط ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی کنیت' ترجمۃ القرآن اور سیرت نبویہؐ کے علاوہ شاہ صاحب کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔ دوسرا خط پیرس سے لکھا جس پر ۸۹/۷/۱۹ کی مورخہ ثبت ہے۔ یہ خط بھی خالص علمی اور تحقیقی مواد پر مامور ہے۔ ان مکتوبات سے ان حضرات کے باہمی استفادہ اور احترام کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات پر شاہ صاحب نے جو مضامین تحریر کئے ان سے بھی آپ کے روابط پر روشنی پڑتی ہے۔

ہمدرد فاؤنڈیشن' کراچی کے بانی' سابق گورنر سندھ' معروف ماہر تعلیم' مذہبی دانشور' حکیم محمد سعید مرحوم سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے۔ حکیم شہید سعید اپنے مقالہ ''ڈاکٹر حمید اللہ...... تاثرات'' میں فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان علمائے اسلام میں سے ہیں جن سے میرا علمی و قلبی رابطہ تسلسل کے ساتھ قائم ہے اور میں ان کے مطالعہ کی وسعت اور علم و خدمات کا معترف اور قدر شناس ہوں''

شہید حکیم ایک سچے اور مخلص انسان تھے آپ کی دعوت پر ڈاکٹر صاحب مدینۃ الحکمۃ تشریف لائے اور ہمدرد یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں خطاب کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے ان کیلئے تعارفی کلمات کہتے ہوئے فرمایا:

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ عالم ہیں۔ نیز فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرے تاثر کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ جامع الفاظ کوئی اور نہیں ہو سکتے۔''

ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنے خطوط میں حکیم صاحب کا تذکرہ کیا ہے' جب آپ سندھ کے گورنر بنے تو مظہر قریشی صاحب کو ایک خط میں لکھا: ''حیرت سے پڑھا کہ حکیم محمد سعید صاحب سندھ کے گورنر بنے ہیں' اللہ مبارک فرمائے''

آپ ہی کے نام ایک دوسرے خط محررہ ۵/۱/۱۹۹۴ میں لکھا ہے:

''میں حکیم محمد سعید صاحب کی بہت عزت کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے کہ مجھ پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھائیں۔''

اس کے علاوہ ہمدرد فاؤنڈیشن کے حوالہ سے بھی متعدد خطوط میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ فاؤنڈیشن سے ڈاکٹر صاحب کی دلچسپی کا ذکر شاہ بلیغ الدین نے بھی کیا ہے۔ حکیم شہید نے اپنی زندگی میں ڈاکٹر موصوف کی جملہ کتب کو جمع کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اور چند کتب کے فوٹو بھی حاصل کر لئے تھے۔ ہمدرد فاؤنڈیشن کے ذمہ داروں کو واجب ہے کہ بانی فاؤنڈیشن کے ادھورے کام کو پورا کریں۔

مفتی تقی عثمانی صاحب مدیر ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی' نائب مدیر دارالعلوم کراچی' سابق جج شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان کو بھی آپ سے علمی و قلمی تعلق رہا۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی آپ کے خط کا انتظار رہتا۔ ۶ردسمبر ۱۹۹۴ء کو مظہر قریشی صاحب کو خط لکھا۔'' جسٹس محمد تقی عثمانی کی طرف سے بہت دن ہوئے کوئی خط نہیں آیا'' مفتی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اظہار الحق'' کا نسخہ ارسال فرمایا تو اس کا ذکر بھی ایک خط میں کیا: ''محترم تقی صاحب کے پاس سے کتاب ''اظہار الحق'' (اردو) کا تین جلدوں والا نسخہ بھی آیا ہے۔ میں نے انہیں رسید بھیجی ہے۔ آپ بھی احتیاطاً ان سے دریافت کرلیں۔ البتہ ان کی کتاب تکملہ احادیث سے واقف نہیں ہوں۔ خدا مبارک کرے۔''

مولانا عثمانی نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب ''اظہار الحق'' (عربی) کا ترجمہ کرا کر خود اس پر ایک محققانہ مقدمہ تحریر کیا ہے۔ مولانا کیرانوی کی یہ کتاب پوری دنیا میں اسلام کے دفاع اور عیسائیت کے بارے میں ایک بلند مقام رکھتی ہے اور متعدد زبانوں میں اس کے تراجم ملتے ہیں۔ اسی کتاب کا فرانسیسی نسخہ ڈاکٹر حمید اللہ نے مولانا مفتی تقی عثمانی کو ارسال کیا جس کا ذکر اپنے ایک خط میں یوں کیا ہے۔

''ایک زحمت دینے کی جسارت کرتا ہوں' میں نے محترم جسٹس تقی عثمانی کو ایک فرانسیسی کتاب ''اظہار الحق'' مولفہ رحمت اللہ دہلوی (کیرانوی) ہوائی ڈاک کے ذریعے بھیجی ہے۔ کیا وہ انہیں پہنچی یا نہیں؟ سنا ہے اس فرانسیسی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہے (گزشتہ صدی ہیں) تلاش کر رہا ہوں''

جناب مظہر قریشی کے نام ان خطوط میں مولانا عثمانی کا ذکر ملتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات میں مکاتیب رہی ہوگی۔ ان حضرات میں علمی رابطہ کی ایک صورت ''البلاغ'' بھی رہا جس میں ڈاکٹر صاحب کے مقالات شائع ہوتے رہے۔ شیخ راشد صاحب نے ان مقالات کی ایک فہرست بھی مرتب کی ہے جو اس موقر جریدہ میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ سابقہ نائب صدر انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد سے بھی آپ کا تبادلہ خیال رہا'

ادارہ تحقیقات اسلامی نے آپ کی وفات پر ایک تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا جس میں ڈاکر غازی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔''بہت سے دینی اور تحقیق طلب امور میں وقتاً فوقتاً مجھے بھی ان سے تبادلہ خیال کا اتفاق ہوا''

بعد ازاں آپ کا یہ خطاب ماہنامہ ''دعوۃ'' اسلام آباد کی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق کے عنوان سے شائع ہوا۔اس مضمون سے ان دانشوروں کے باہمی روابط کا بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔مظہر قریشی صاحب کے نام ایک خط میں فرمایا:

''کتاب الروی الواقدی کی تنقید جو محترم ڈاکٹر غازی صاحب نے فرمائی ہے وہ سمندری ڈاک سے ممکن ہے۔دو ماہ بعد ملے۔ان کی تردید مجھ سے نہ کروایئے۔میرے پاس اس کا وقت نہیں ہے۔میں نے مقدمے میں ساری دلائل لکھ دی ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ واقعہ شاہد اتنا بدنہیں ہے جتنا بدنام ہے۔ان کی کتابوں میں مجھے کبھی کوئی چیز نہ ملی جو اسلام یا رسول اللہ کی توہین پر مشتمل ہو۔''

اور جب ڈاکٹر غازی صاحب کا تبصرہ انہیں موصول ہوا تو اس پر یوں اظہار خیال فرمایا:

''ڈاکٹر غازی صاحب نے میری شائع کردہ واقدی کی کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے۔اس میں ایک اعتراض درست ہے کہ میں نے اصل مخطوطے کا مفصل ذکر نہیں کیا اگر چھپنے سے پہلے بات بتائی جاتی یا ذہن میں آتی تو تلافی کر سکتا تھا۔اب نئے ایڈیشن کا انتظار کرنا ہوگا۔شاید وہ میرے مرنے کے بعد نکلے'اس کے سوا اور کیا لکھوں''

ڈاکٹر صاحب جامع الکمالات تھے۔لیکن ایک صفت میں وہ بہت متفرد تھے وہ صرف اہل علم ہی کا خاصہ رہا ہے۔یعنی وسعت قلبی اور قبول حق کی صفت' جس کا تذکرہ مذکورہ بالا خط میں بھی ہوا ہے'اسی نوع کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔آپ نے ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد کے سہ ماہی مجلہ الدراسات الاسلامیہ'' (عربی) کے محرم تاربیع الاول ۱۴۱۰ھ کے شمارہ میں ایک مضمون لکھا جس میں یہ موقف اختیار کیا کہ آپ حضورﷺ نے حقوق زوجیت کے ساتھ صرف چار کو باقی رکھا اور باقی پانچ بیویوں کو اعزازی حیثیت دے دی۔ان کو حقوق زوجیت حاصل نہ تھے۔ماہنامہ الشریعہ' گوجرانوالہ نے اس پر جرح کی اس کی تردید میں اکتوبر ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں پروفیسر عبدالرحیم صاحب کا مضمون ''تعداد ازدواج'' شائع کیا۔اس مضمون کے جواب میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے جو مضمون لکھا وہ الشریعہ کے شمارہ دسمبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔مدیر رسالہ مولانا زاہد الراشدی صاحب ڈاکٹر صاحب کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور اعلان کیا کہ ہم اس کا علمی و تحقیقی جواب دینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔غالباً آپ مولانا قاضی محمد ادریس خان ایوبی کا تحقیقی مضمون شائع کرنا چاہتے تھے۔اسی دوران ماہنامہ صدائے اسلام پشاور نے ڈاکٹر صاحب کے موقف پر اعتراض کیا۔جس کے جواب میں ڈاکٹر صاحب نے مدیر رسالہ کے نام ایک مکتوب میں اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔

ڈاکٹر صاحب کا یہی خط ''الشریعہ'' کے شمارہ مارچ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔اسی خط سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

میری عمر پچاسی سال سے متجاوز ہوگئی کہ (محرم ۱۳۲۶ھ کی ولادت ہے) اس لئے یقیناً عقل بھی سٹھیا گئی ہے۔ ادارہ تحقیقات اسلامیہ میں نیک نیتی سے جو مضمون لکھا تھا وہ غلط ہوسکتا ہے کہ انسان ہوں، حق بات کا بول بالا ہوسکتا ہے انسانوں کا نہیں۔ آپ کے ناظرین میری نہیں اہل علم کے فیصلے کی تعظیم کریں...... اگر میرا مطالعہ ناقص اور میرا استنباط غلط ہے تو میں اللہ کے پاس معافی مانگتا ہوں، میں نے الدراسات الاسلامیہ میں عربی میں مضمون اسی لئے لکھا ہے کہ وہ عوام نہیں بلکہ اہل علم کے مطالعہ میں آتا ہے۔''

جناب خورشید ندیم نے تکبیر مسلسل میں لکھا تھا کہ ''ڈاکٹر صاحب اپنے دبستان کے واحد رکن ہیں اول بھی اور سر دست آخر بھی'' یہ سچ ہی کہا تھا اور اگر کوئی اس علمی و تحقیقی اسلوب کا دعویٰ دار ہے تو وہ دیکھے کہ ڈاکٹر صاحب کے علمی رویے، برداشت، قبول حق، عاجزی وانکساری اور زہد وفقر کا معیار کیا تھا۔ ہمارے یہاں کی جملہ دینی نسبتوں اور علمی دبستانوں میں آج کوئی ایک بھی ایسا ہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　　افسوس تم کو میر سے محبت نہیں رہی

مولانا سمیع الحق صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور اس کے علمی و دینی مجلہ کے مہتمم و مدیر اعلیٰ ہیں۔ اس مجلہ میں ڈاکٹر صاحب کے درجنوں خطوط شائع ہوئے۔ جناب راشد الحق سمیع صاحب کا فرمان ہے کہ خطوط ان کی فائل میں محفوظ ہیں۔ معارف اعظم گڑھ کے بعد شاید ''الحق'' ہی وہ مجلہ ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے اطمینان اظہار فرمایا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی عادت رہی کہ جب کسی رسالہ میں کوئی قابل ذکر بات شائع ہوتی تو خط کے ذریعے اس کے مدیر سے تبادلہ خیال کرتے۔ اپنے ایک خط میں ''الحق'' کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الحمدللہ الحق کا علمی معیار دن بدن، روز بروز بلند ہوتا جا رہا ہے۔ اور اس میں ناظرین کے ہر طبقے کے لئے کچھ نہ کچھ دلچسپی کی چیزیں مل جاتی ہیں۔

پروفیسر خورشید احمد صاحب کو ڈاکٹر صاحب سے عقیدت و استفادہ کا بڑا طویل تعلق رہا۔ یہ تعلق چالیس کی خط و کتابت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہاں آپ کے مضمون ''ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم'' سے ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے روابط کی نوعیت کیا تھی۔

پروفیسر صاحب فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے میری ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں ابھی طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلباء میں سرگرم تھا۔ اور وہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کیلئے پاکستان آئے تھے۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مجلس تعلیمات اسلامی کے رکن تھے اور اسمبلی کی عمارت ہی کے ایک حصے میں انکا دفتر تھا...... ''چراغ راہ'' کے اسلامی قانون نمبر کی اشاعت پر بہت خوش تھے اور

بالکل غیر متوقع طور پر تین صفحے کا خط لکھا جس میں کتابت کی غلطیوں کی نشاندہی کی......ڈاکٹر صاحب سے خط وکتابت کا یہ سلسلہ چالیس سال پر پھیلا ہوا ہے' مگر کس دل سے کہوں کہ اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا۔ آخری خط میری مختصر کتاب ''فیملی لائف آف اسلام'' کے فرانسیسی ترجمے پر ان کی تصحیح وتنقید سے عبارت تھا''

پروفیسر صاحب اپنے اسی مضمون میں آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: ''میں نے ڈاکٹر صاحب سے متعدد علمی مذاکرات میں شرکت کی۔ لیکن سب سے زیادہ یادگار وہ ضخیم (تربیتی کیمپ) تھا جو فرانس میں ایک دیہاتی علاقے میں فرانس کے مسلمان طلباء کی اسلامی تنظیم (UMSO) کے تحت منعقد ہوا تھا' اور جس میں پانچ دن رات ہم نے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عام طلبہ کی طرح زمین پر سوتے اور اپنے برتن اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کمال التفات سے ڈاکٹر صاحب نے میری تقاریر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ فرمایا''

پروفیسر خورشید احمد ہمارے ملک کے دھیمے مزاج کے منفرد سیاست دان کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ماہر اقتصادیات ہیں اور علمی حلقوں میں آپ کی ایک اور پہچان ''ترجمان القرآن'' ہے جو ملک کی ایک منظم دینی وسیاسی جماعت کا ترجمان رسالہ ہے۔ ان کے محولہ بالا اقتباسات سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر خورشید صاحب کو ڈاکٹر صاحب سے عقیدت واحترام اور اخذ واستفادہ کا تعلق رہا۔ وہاں ڈاکٹر صاحب کی علم دوستی' عاجزی وانکساری جو خاکساری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اس کا ایک ثبوت اور فراہم ہوتا ہے' فی زمانہ علماء ودانشور اور حضرات میں یہ صفت مفقود نظر آتی ہے۔ اور یہ بات جماعت اسلامی کے دانشوروں کے بارے میں خصوصیت سے کہی جاسکتی ہے۔

بیسویں صدی کے فکری ارتقاء کے تناظر میں علامہ محمد اقبال' مولانا اشرف علی تھانوی' مولانا سید سلمان ندوی' سید ابوالحسن ندوی' ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور سید ابوالاعلیٰ مودودی بڑے بڑے نام لئے جاسکتے ہیں' تاہم مؤخر الذکر کئی اعتبار سے منفرد اور ممتاز مودودی' مفکر' مصلح اور مدبر میں اپنے تاثر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''جب اسلامی فکریات کے وسیع ذخیرے کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی اسلامی فکر پر سب سے زیادہ جس شخص نے نہایت گہرے اثرات مرتب کئے وہ مولانا مودودی ہیں۔ ان کی اثر پذیری اپنی وسعت اور عمق کے اعتبار سے اور اپنی اصابت فکر اور اپنے اثرات کے اعتبار سے منفرد مقام حاصل ہے۔''

مولانا مودودی نے اپنے تفکر کی بنیاد قرآن پر رکھی۔ ان کا مشہور جملہ ہے۔ ''مسلمانو! قرآن کی دعوت لے کر اٹھو اور پوری دنیا پر چھا جاؤ۔''

آپ نے قرآن کے آفاقی پیغام کو عام کرنے کے لئے تفہیم القرآن کے نام سے جدید دور کی شہرہ آفاق تفسیر لکھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ بھی اس تفسیر سے مستفید ہوئے اور جہاں کہیں اشکال ہوتا خطوط کے ذریعے برملا اظہار کرتے۔ ایک خط میں ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری (پسر مولانا ظفر احمد انصاری) کو خط میں لکھا'' معاف فرمائیں آپ کے

کاموں میں حارج ہورہا ہوں۔ آپ غالباً تفہیم القرآن (مولفہ مولانا مودودی مرحوم) کا انگریزی ترجمہ کررہے ہیں۔ ان میں تین فاش غلطیاں ملیں ہیں۔ مناسب ہوتو اس کی سہو کی تلافی فرمادیں"

ڈاکٹر صاحب مولانا مودودی کو ایک حق پسند انسان سمجھتے تھے۔ مولانا سمیع الحق کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں:

" جو اقتباسات انہوں نے اپنے ہم رائے لوگوں سے نقل کئے ہیں۔ وہ سب کے سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔ کوئی بھی خدا اور رسول سے استسناد نہیں ہے۔ مولانا مودودی مرحوم زندہ ہوتے تو میں ان سے ان کا ماخذ پوچھتا۔ وہ حق پسند تھے' اوراپنی غلطیوں کو مان لیتے تھے۔ متعدد تحریروں میں سے ایک کا ذکر کرتا ہوں۔ تفہیم القرآن ج ۴' ص ۱۱۶ میں ام المومنین حضرت جویریہؓ کو یہودی خاندان سے بتایا ہے۔ وہ بنی المصطلق یعنی خزاعہ کی شخصیت عرب تھی۔ میرے استفسار پر مرحوم نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کردی جائے گی۔"

ڈاکٹر انصاری کے نام خط میں بھی اس سہو کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جولائی ۱۹۸۹ء کے ایڈیشن میں اس غلطی کی اصلاح کردی گئی۔ ان خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور مولانا مودودی میں باہم تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے حوالہ سے یہاں ایک اور علمی و مذہبی اور سیاسی شخصیت کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مولانا ظفر احمد انصاری (والد ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری) ۱۹۰۸ء میں آلہ آباد بھارت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں آلہ آباد یونیورسٹی سے بی اے ۱۹۳۱ء اور فلسفہ میں ایم اے کا امتحان ۱۹۳۳ء میں پاس کیا۔ ایل ایل بی کرنے کے بعد آلہ آباد اور دہلی میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۴۲ء میں نوابزادہ لیاقت علی خان کی وساطت سے مسلم لیگ میں آئے اور قیام پاکستان تک مختلف حیثیتوں سے کام کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنی مساعی جمیلہ استحکام پاکستان اور نفاذ اسلام کے لئے وقف کردی۔ اسی سلسلہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی' مولانا مفتی محمد شفیع اور ڈاکٹر حمید اللہ سے تعلق اور رابطہ قائم ہوا۔ جو عمر کے آخری سانس تک قائم رہا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے اس تعلق کو خوب نبھایا کہ ڈاکٹر صاحب کی وفات پر ماہنامہ فکر و نظر کی ایک خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا جو کئی زاویوں سے ایک مثالی اور حوالہ جاتی دستاویز کہی جاسکتی ہے۔ آپ نے اس کے آغاز ہی میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اپنے مشاہدات اور تاثرات بیان کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر موصوف کے انصاری فیملی سے گہرے علمی روابط رہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد (۱۹۴۸ء) ہی میں بعض اربابِ علم و دانش کو یہ فکر لاحق رہی ہے کہ کسی طرح مملکت خداداد کو اس کی نظریاتی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔

اس ضمن میں جو اولین کاوش نظر آتی ہے اس میں تین نام بڑے معتبر ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی' مولانا احتشام الحق تھانوی اور مولانا ظفر احمد انصاری۔ ان حضرات کی تحریک پر مولانا مناظر احسن گیلانی' ڈاکٹر محمد حمید اللہ' مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی اور جناب غلام دستگیر رشید اپریل ۱۹۴۸ء میں کراچی میں جمع ہوئے۔ دو ہفتے تک

مشاورت جاری رہی۔ اس دوران تمام میٹنگز مکمل پر طور غیر سرکاری تھیں۔ اور مولانا انصاری ان علمی مجالس کے غیر سرکاری میزبان۔ بعدازاں بورڈ تعلیمات اسلامی (۱۹۴۹ء۔۱۹۵۰ء) عمل میں آیا تو ڈاکٹر حمید اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع، پروفیسر عبدالخالق، مفتی جعفر حسین مجتہد بورڈ کے ممبر، سید سلمان ندوی چیئرمین اور مولانا انصاری سیکرٹری مقرر ہوئے۔ یہ بورڈ حکومت نے تشکیل دیا اور اس کا کام اسلامی آئین کی تشکیل میں دستور ساز اسمبلی کی معاونت کرنا تھا چونکہ دستور ساز اسمبلی کے لئے ان شعار پر عمل کرنا لازمی نہیں تھا اس لئے بورڈ کی حیثیت ایک مشاورتی کونسل کی سی تھی۔ اس لئے بظاہر اس کے اثرات نظر نہ آئے لیکن درحقیقت آئینی تاریخ میں ان مجالس اور بورڈ تعلیمات اسلامیہ کو کلیدی حیثیت رہی ہے۔ ۱۹۳۱ء میں ۲۲ نکات پر مختلف مکاتیب فکر کے علماء کا متفق ہو جانا ایک ایسی پیش رفت تھی جس کے پس منظر میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی جیسے لوگوں کا خلوص کارفرما تھا۔ قرارداد مقاصد کے متن کی تیاری اور اسمبلی میں اس کی منظور کے لئے بھی ان حضرات کی مساعی قابل ذکر ہیں۔ مولانا انصاری اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

" ......دستور ساز اسمبلی میں مولانا شبیر احمد عثمانی اسلامی گروہ کی قیادت کر رہے تھے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اگر اسلام پسند طبقے نے غیر معمولی دانشمندی اور بصیرت سے کام نہ لیا تو دوسرا گروہ عیارانہ چالوں سے کامیاب ہو جائے گا۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ قرارداد مقاصد کا ایک ایک لفظ اس طرح تیار کیا جائے کہ دوسرا گروہ متوحش نہ ہو لیکن وہ اپنے معانی اور وسعت کے اعتبار سے اسلام کی ترجمانی کرتا ہو۔ بعض اوقات ہم نے ایک مناسب فقرے اور ایک ایک موزوں لفظ کی تلاش میں کئی کئی راتیں مسلسل سوچ بچار کیا ہے۔ پھر جب کوئی مخالف گروہ وار کرتا ہے تو اس سے بچاؤ کی تدابیر سوچنی پڑتی ہیں۔"

پاکستان کے تمام دستاویز کی تدوین وتوید میں آپ نے فعال کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء۔۱۹۸۹ء تک اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن رہے۔ اس حیثیت سے بھی ملک کے قوانین کو اسلامی اصولوں میں ڈھالنے کے لئے بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ ملک سے باہر بھی آپ کی شہرت ایک عالمی اسلامی رہنما کی تھی، اسلامک سینٹر جینوا کے چیئرمین کے طور پر بھی کام کیا۔ علاوہ ازیں امریکہ اور یورپ میں بھی بعض اہم سنٹرز کے نگران رہے اور اس دوران مولانا انصاری اور ڈاکٹر حمید اللہ کا مسلسل رابطہ رہا۔ انصاری صاحب نے سابق وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو مشورہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب کی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ بھٹو صاحب نے آپ سے اتفاق کیا لیکن اس سلسلہ میں کوئی عملی پیش رفت کے لئے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ مولانا انصاری کی ملی خدمات کے ہمیشہ معترف رہے۔ مولانا صلاح الدین (مدیر تکبیر) جنوری ۱۹۹۲ء میں پیرس گئے تو آپ کی رہائش پر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ بات آگے بڑھی تو فرمایا:

" میں ۱۹۴۸ء سے یہاں مقیم ہوں۔ پاکستان یہیں سے گیا تھا اور وہاں مولانا سید سلمان ندوی، متعدد علماء

اور مولانا ظفر احمد انصاری سے مل کر پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی نکات' علماء کے بائیس نکات اور نظام تعلیم کے خاکہ کی تیاری میں شریک رہا اور پھر پیرس چلا آیا۔ انہیں میری (مولانا صلاح) زبانی مولانا انصاری کی وفات کی خبر ملی تو گہرے دکھ کا اظہار کیا مولانا کی ملی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مغفرت کیلئے دعا کی۔" یہ ساری گفتگو ۱۵ر جنوری ۱۹۹۲ء کو ہوئی جس میں روزنامہ عبرت' حیدر آباد کے ایڈیٹر قاضی اسد عابد اور روزنامہ فرنٹیئر پوسٹ کے ایڈیٹر جناب قیصر بٹ نے بھی شرکت کی' بعدازاں اسے تکبیر نے رپورٹ کیا۔

مرحوم لیاقت علی خان نے جو اسلامی بورڈ تشکیل دیا تھا' اس کے ایک اہم رکن مولانا مفتی شفیع بھی تھے' آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی رہے۔ ستائیس ہزار طلباء نے آپ سے تلمذ کا شرف حاصل کیا۔ آپ کی علمی کتب کی تعداد 162 تک پہنچتی ہے۔ جس میں آپ کی معروف تفسیر "معارف القرآن" بھی ہے جو آٹھ جلدوں میں دور حاضر کی جدید فقہی تفسیر کہی جاسکتی ہے۔ کراچی میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور ماہنامہ "البلاغ" کا اجراء کیا۔ اس مستند دینی جریدے میں ڈاکٹر حمید اللہ کے متعدد مضامین اور خطوط شائع ہوئے۔ چونکہ اسلامی بورڈ اور قرارداد مقاصد کی تیاری میں ڈاکٹر حمید اللہ بھی شریک رہے اس لئے اسی فورم پر ان حضرات کی پہلی ملاقات اور تعارف ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس ملاقات کے بارے میں بتایا:

"میں اسے اپنی بدقسمتی سمجھتا ہوں کہ فاضل گراں مایہ' فخر عصر' محمد شفیع عثمانی مرحوم اعلی اللہ مقامہ سے زیادہ استفادہ کا موقع نہ پاسکا۔ حیدر آباد دکن میں ولادت اور بے وطنی سے قبل کی تقریباً ساری عمر وہیں گزرنے کے باعث اگر مرحوم سے ملاقات بالکل ہی نہ ہوتی تو بھی باعث حیرت نہ ہوتا۔ لیکن خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ خدا نے اس کا موقع دیا۔ پارلیس میں قیام پذیر تھا کہ یکا یک آب و دانہ ۱۹۴۹ء میں کشاں کشاں کراچی لے گیا۔ وہاں پورا ایک سال رہنا ہوا مجلس دستور ساز میں ایک مشاورتی (فنی) مجلس تعلیمات اسلامی قائم کی گئی تو مقامی علماء میں سے حضرت مفتی محمد شفیع منتخب ہوئے اور اس سے بہتر کوئی انتخاب ہو نہیں سکتا تھا۔ ذمہ داران اعلیٰ مقام نے نہ معلوم کس غلط فہمی میں اس ناکارے کو بھی اس میں داخل کیا۔ اس طرح مرحوم سے ملاقات کی صورت ہوگی۔"

اپنے ایک سال کے قیام کے دوران ڈاکٹر صاحب تعطیلات کے علاوہ ہر روز ان سے ملاقات کرتے۔ علمی مسائل پر بات ہوتی' ڈاکٹر صاحب مولانا کی علمی وجاہت' وسعت نظری اور تواضع جیسی صفات سے بہت متاثر ہوئے۔ مفتی صاحب کی وفات پر آپ نے جو مضمون "البلاغ" کے لئے تصنیف کیا اس کے آغاز میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اپنی سرکاری مصروفیت سے مجھے یہاں بحث نہیں تعطیلات کو چھوڑ کر حضرت مفتی صاحب سے ہر روز ملاقات ہوتی رہی۔ وقتاً فوقتاً علمی مسائل پر تبادلہ خیال بھی ناگزیر تھا۔ ان کے عمیق علمی اور وسعت نظری کو آدمی دور سے

تحریروں کو پڑھ کر بھی جان سکتا اور سراہا سکتا تھا' جو چیزیں دور سے نہیں بلکہ صرف قریبی اور طویل تماس میں ہی نظر آسکتی ہیں' ان میں اولاً تواضع کی اسلامی صفت ہے' کیونکہ نہ ہو شاخ بے ثمر سر اٹھائے اکڑتی رہتی ہے۔ تو میوہ دار شاخ کا سر روز افزوں جھلکتا ہی جاتا ہے۔ عالم میں انانیت' غرور اور تکبر کی جگہ تواضع ہو تو اس کی عزت گھٹتی نہیں بڑھ جاتی ہے۔ دوسری صفت جس سے میں ہمیشہ متاثر ہوتا رہا' وہ ان کی وسعت قلبی تھی کہ چھوٹوں سے بھی کچھ سیکھنے میں کبھی خفیف ترین تذبذب نہ ہو۔ وہ بڑے فقیہ اور مستند مفتی تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ کراچی میں بھی کوئی ایسا بلند معیار اور علمی مدرسہ قائم کیا جائے جسے ''دیوبند ثانی'' کہا جاسکے۔ مولانا مفتی صاحب آپ کے اس خیال سے متفق تھے۔ کوئی حجاب تھا تو بس یہ کہ کیا طلباء ملیں گے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا'' دیوبند جیسے ایثار طلب اور ترکِ دنیا کرنے والے مدرسے میں جانے والے لوگ ہمالیہ تلے کے براعظم میں کم نہ تھا''

ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ اس پر آپ مطمئن ہو گئے' اور آپ نے مجوزہ دارالعلوم کے قیام کا عزم کرلیا۔ آج یہ وہی مدرسہ جو چھپن ایکڑ اراضی پر قائم دارالعلوم کراچی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ مفتی صاحب کا اندازِ فکر نرالہ اور نادر و شاذ تھا۔ روایتی علماء کے برعکس نئی چیزوں سے گھبرا کر فوراً بدعت کا گمان کرنے کی بجائے ان کی حکمت میں تفکر کرتے تھے۔ ڈاکٹر نے آپ کی جدید فقہی کی خدمات کے تناظر آپ کی چند تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مرحوم و مغفور نہ صرف بڑے عالم تھے بلکہ اچھے ادیب بھی تھے۔ ایک تو ان کی کتاب ''معارف القرآن'' ہے جو اچھی مصری تفسیر ہے۔ اسی طرح ان کا مختصر مضمون ''اسلامی ذبیحہ'' معلومات کا گنجینہ ہے اور ''طعام اہل الکتاب'' کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرتا ہے۔ ''اسلام کا نظام اراضی'' بھی ایک بہت مفید تالیف ہے۔ ان کے علاوہ بھی مرحوم کی بہ کثرت مطبوعہ تصنیفیں ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے چند گراں مایہ مقالوں کا عربی ترجمہ ہو کر عرب ممالک کے علمی رسالوں میں شائع ہو تو مرحوم کی قدر و قیمت سے ایک وسیع تر حلقہ واقف ہو سکے گا''

علم' ایثار اور خلوص کا رشتہ بڑا عظیم رشتہ ہوتا ہے۔ جو ان دو حضرات کے درمیان آخری وقت تک موجود رہا۔ ڈاکٹر صاحب کی فرانس روانگی سے دو دن قبل مفتی صاحب ڈاکٹر صاحب کی رہائش گاہ پر ملنے گئے۔ آپ کی جدائی کا مفتی صاحب کو بڑا ملال تھا۔ گویا کسی عزیز قریب سے محروم ہو رہے ہیں۔ پچیس سال بعد ڈاکٹر صاحب جب دوبارہ کراچی تشریف لائے تو زیارت کیلئے حضرت مفتی صاحب کے یہاں حاضری دی۔ علالت کے باوجود جوشِ جذبات سے کھڑے ہو گئے اور گلے لگا لیا اور پھر ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو جن حضرات سے علمی انسیت رہی ان میں ایک نام سید سلیمان ندوی بھی ہیں۔ اپنی ایک یادداشت میں ان کو پندرھویں صدی ہجری کا مجدد کہا ہے۔ ندوہ کو اپنے ہاں کے جن اساتذہ پر فخر ہونا چاہیے۔ ان

میں سید سلمان ندوی کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ سید ندوی ہی تھے جنہوں نے دیوبند اور ندوہ ہندوستان کی عظیم درس گاہوں میں حائل خلیج کو پاٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔ دارالمصنفین اور معارف آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اور مولانا ندوی میں بچپن سے وفات تک محبت، احترام اور علم وادب کا تعلق موجود رہا۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

مجھے سید صاحب مرحوم سے نادیدہ محبت تھی یعنی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ سنا ہے کہ انہیں بھی مجھ سے محبت تھی یعنی شفقت اور ذرہ نوازی میں نے نوعمری ہی سے طالب علمانہ خط وکتابت شروع کی تھی۔ اور وہ ہمیشہ اور فوراً جواب سے نوازتے تھے۔ ''سنا ہے'' کے لفظ اسلئے استعمال کرتا ہوں کہ مجھے اس کا علم نہ تھا۔ اگر حال میں مولانا ابوعلی عبدالباری یہ بیان نہ فرماتے وہ ساٹھ باسٹھ سال سے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے وابستہ رہے اور رسالہ معارف سے خاص تعلق رکھا ہے۔ معارف جو اردو زبان کا بہت معروف اور علمی رسالہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس ماہنامہ کو دنیا کا سب سے بلند پایہ رسالہ سمجھتے تھے۔ مدیر معارف کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

''معارف کی میرے دل میں بہت عزت ہے۔ وہ ہمارے تاریخ حال کا مستقبل میں ایک وثیقہ ایک ماخذ ہوگا۔''

ڈاکٹر صاحب کے سب سے زیادہ مقالات اسی رسالہ میں شائع ہوئے۔ فرماتے ہیں:

''رسالہ معارف میں کوئی مضمون امیدوار بن کر حاضر ہوتا تو بطور ایڈیٹر سید صاحب مرحوم اس ضروری ترمیم راصلاح کرتے۔ صرف دو آدمیوں کے مضمون اس سے مستثنیٰ تھے۔ ایک مرحوم مسعود عالم ندوی اور دوسرا یہ ناکارہ ہے، جس کا جب کوئی مضمون معارف میں چھپنے کے لئے آتا تھا تو (سید صاحب) باغ باغ ہوجاتے تھے اور فوراً کتابت کے لئے کاتب کے حوالے کردیتے۔ ذرا بھی تاخیر کو راہ نہ دیتے تھے''

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان روابط کے باوجود سید صاحب سے ملاقات کم ہی رہی۔ موصوف کے اپنے مضامین میں دو ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی ملاقات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں ہوئی۔ جب آپ جامعہ کی دعوت پر لیکچر دینے آئے تھے اور دوسری بار کراچی میں یہ وہ زمانہ تھا جب ہر دو حضرات مجلسِ تعلیمات اسلامیہ کے سلسلے میں یہاں قیام پذیر تھے۔ اسی ملاقات میں جو شاید آخری بھی تھی مولانا ندوی نے خواہش ظاہر فرمائی کہ ڈاکٹر صاحب سیرت پر کوئی عمدہ کتاب تصنیف کریں، جب ڈاکٹر صاحب نے استفسار کیا ''رحمت عالم'' اور ''سیرت النبیؐ'' کے بعد کیا ضرورت ہے؟ تو فرمانے لگے ان کا نہج الگ ہے۔ ہم تمہیں بتائیں گے کہ یہ سیرت کس طرح کی ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے ہمت نہ پڑی کہ حامی بھر سکتا مگر افسوس اس بات کا ہے کہ میں یہ نہ پوچھ سکا کہ انکا منشاء کس نہج کی سیرت نبوی کا ہے۔

مولانا سید سلمان ندوی مرحوم نادرِ روزگار عالم تھے۔ ان کی کتاب ''عائشہ صدیقہ'' میں آج بھی شاید کچھ اضافہ ہوسکتا ہے۔ وہ کتاب ان کے زمانہ طالب علمی کی تالیف ہے۔ سیرت النبی کے علاوہ بھی آپ کی متعدد کتب اردو زبان کا سرمایہ ناز ہیں۔ اتنی صاف ستھری زبان، اتنا عام فہم اور واضح اسلوب کہ کم ہی وہ کسی کو میسر ہوا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی معاصر شخصیات میں ایک بہت بڑا نام سید مناظر احسن گیلانی کا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ استفادہ مولانا گیلانی سے کیا اور متعدد مقامات پر اس کا ذکر بھی کیا۔مولانا کی معروف کتاب ''امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی'' پر پیش لفظ رقم کئے تو آپ کی حیات وخدمات پر بڑی جامع گفتگو فرمائی۔جامعہ عثمانیہ میں مولانا کی خدمات کے تناظر میں فرمایا۔

''جو کام امام غزالی نے کیا وہی کام اس جماعت کے استاد کو کرنا پڑتا تھا اور کوئی احیاء العلوم کا نی چاہیے۔ابھی تحریر میں نہ آئی ہو لیکن گزشتہ تیس سال سے سال بسال جامعہ عثمانیہ کے طلباء اس جدید علم الکلام سے مستفید ہوتے رہے اور نتیجہ یہ بتاتا ہے کہ ہمالیہ تلے کے براعظم کی ڈیڑھ دو درجن جامعات میں سے سب سے کم دہریت اگر کسی جگہ کو مل سکی تو وہ جامعہ عثمانیہ رہی ہے۔اور اس کا سہرا بہت بڑی حد تک صرف مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہ کے سر رہا ہے۔ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے اپنے جائزہ میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر کی دلچسپی کا اصل میدان ''تدوین و تاریخ حدیث'' ہے اور علم کی یہ جہت آپ کو اپنے نامور استاد سید مناظر احسن گیلانی سے ملی۔گمان غالب ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا گیلانی کی کتاب ''تدوین حدیث'' سے یہ تحریک لی ہو۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔اکابرین دیوبند جو تعلق اور نسبت تھی اس کا اظہار ''سوانح قاسمی'' میں ملتا ہے جو بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سوانح کے علاوہ تعلیمی، علمی، مذہبی، کلامی، سیاسی اور سماجی خدمات کا جائزہ ہے۔اس تصنیف میں آپ دیوبند کی علمی وادبی تاریخ سمیٹ لائے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کی ایک کتاب ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔جسے مولانا اعجاز احمد اعظمی نے مرتب کیا ہے۔اور ملتان سے ادارہ تالیفات اشرفیہ نے شائع کیا۔دیوبند میں آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن، سید انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی جیسے مشاہیر سے اکتساب کیا۔مولانا گیلانی کی علمی وروحانی زندگی کی ابتداء وانتہا دارالعلوم دیوبند کی علمی ودینی فضا تھی۔قاری محمد طیب فرماتے ہیں:

''احقر کی فرمائش پر آپ نے ''سوانح قاسمی'' تین جلدوں میں مرتب کی۔جو ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس کے بارے میں جب احقر نے ان سے فرمائش کی تو بہت خوشی اور امنگ سے اسے قبول کرتے ہوئے لکھا میری علمی زندگی کی ابتداء ''القاسم'' سے ہوئی تھی اور شاید انتہا بھی ''القاسم'' (یعنی حضرت نانوتوی) ہی پر ہوگی۔چنانچہ یہی ہوا کہ سوانح قاسمی کی چوتھی جلد آپ نے شروع کی پانچ صفحے لکھنے پائے تھے کہ عمر ثانی نے جواب دیدیا۔اور ''القاسم'' پر انتہا ہوگئی۔''

دیوبند کے بعد مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں پروفیسر مقرر کیا گیا۔ڈاکٹر حمید اللہ آپ کے حالات میں لکھتے ہیں: ''غالباً حبیب الرحمن خان شیروانی (وزیر مذہبی امور) کی

توجہ سے آپ کو فنون وسائنس کی جماعتوں میں سنی طلباء کو دینیات لازم پڑھانے کے لئے بطور لیکچرار لے لیا گیا۔ ۱۹۲۵ء میں جامعہ عثمانیہ ہی میں ڈاکٹر صاحب شعبہ دینیات میں فقہ کے لیکچرار مقرر ہوئے اور پھر شعبہ قانون میں قانون بین الاقوامی پڑھانے منتقل ہوگئے لیکن اس کے باوجود مولانا گیلانی سے علمی روابط استقرار رہے۔

مولانا گیلانی کو علوم عقلیہ کا بڑا شغف تھا' (آپ نے مولانا برکات احمد سے جو معقولات کے امام ہیں) ڈاکٹر حمید اللہ نے مولانا گیلانی کے جن اوصاف کا تذکرہ کیا ہے ان میں ایک بات آپ کا کسی خاص مسلکی وابستگی سے بلند تر ہونا ہے۔ اگرچہ آپ دارالعلوم دیوبند کے سند یافتہ اور فیض یافتہ تھے۔ تاہم بریلوی علماء بھی آپ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا تاثر یہ ہے: ''مولانا میں علم وسیرت کی بڑی شان نظر آتی ہے کہ دیوبندی آپ کو اپنا کہتے ہیں تو بریلوی اپنا۔ ان دونوں مکاتیب خیال کی انگریزی دور میں ملک جو مکافرت اور کشمکش تھی اس میں یہ اپنایا جانا حیرت انگیز ہے مگر مولانا حقیقت میں ان دونوں سے بھی بلند ہیں۔ یعنی آپ صرف مسلمان ہیں۔''

مولانا گیلانی نے عثمانیہ یونیورسٹی میں ایک عرصہ دراز تک تدریسی خدمات سرانجام دیں' یونیورسٹی میں تدریس کے علاوہ تحقیق کا شعبہ بھی آپ کے دائرہ اختیار میں تھا۔ اس تناظر میں آپ کے خیالات وافکار میں تنوع کا آنا ایک قدرتی امر تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں مولانا کی علمی وسعت وبصیرت کے پس منظر میں ایک محرک یہ بھی تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اس پندرہ سولہ سالہ خدمتِ جامعہ نے بڑا فرق پیدا کردیا تھا۔ اب اس مولوی میں جو دیوبند سے دستار فضیلت باندھ کر آیا تھا اور اس پروفیسر میں جو ایک جدید وضع کی جامع میں درس دے رہا تھا کوئی نسبت تھی تو شاید یہی کہ وہ پہلے بھی پکے مسلمان تھے اور اب بھی''

ڈاکٹر حمید اللہ خود بھی ایسے ہی پکے اور سچے مسلمان تھے جو کسی ملک کے ترجمان نہیں کئے جاسکتے۔ نیز آپ کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ مسلمان مسالک و مذاہب کی بحث سے اوپر اٹھ کر کام کریں۔ شافعی المسلک ہونے کے باوجود آپ دیگر فقہی مذاہب کا بے حد احترام کرتے تھے اور اسی نظریہ کا ابلاغ چاہتے تھے۔ مولانا انصاری' مولانا عثمانی' مولانا ندوی اور مولانا گیلانی یہ سب اور دیگر احباب جن کا ذکر آپ کے ہاں کثرت سے ملتا ہے ان میں سے اکثریت حنفی فقہ کے پیروکار تھے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم لوگ بھی اپنے دینی رجحانات اور علمی رویوں پر نظر ثانی کریں اور وسعت قلبی اور مذہبی رواداری کو فروغ دیں۔ یہ وقت کا اولین تقاضا اور ضرورت ہے۔ بقول اقبال ضروری ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے ۔۔۔ نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

ترجمہ: مولانا عبدالستار صاحب الاعظمی
استاذ جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں مداومت

الدیمة: یہ عربی لفظ ہے جو استمرار اور ہمیشگی کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے: (**اَللّٰھم اجعل عملنا دیمة**) اے اللہ ہمارے عمل میں استمرار پیدا فرما۔ یہ لفظ تو ہمیں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یاد دلاتا ہے، کیوں کہ انہوں نے اسی لفظ کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو (امت کے لئے) سمجھایا۔

چنانچہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے سوال کرتے ہوئے کہا: **یا اُم المومنین کیف کان عمل رسول الله صلی الله علیه وسلم هل کان یخص شیئا من الأیام؟ قالت لا، کان عمله دیمة و أیکم یستطیع ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یستطیع ۰ رواه مسلم** ۔اے ام المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کیا تھی؟ کیا آپ نے کچھ ایام ''عمل کے لیے'' خاص رکھا تھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ایسا نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں استمرار اور مداومت تھی، اور تم میں سے اتنی طاقت کسے ہے، جتنی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی۔اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں: **الدیمة** نام ہے اس چیز کا جس پر مداومت کی جائے اور اس مداومت میں انقطاع نہ ہو، سنو! یہی موسم خیر ''رمضان'' جس کا آنا جانا واضح ہے، اور اس میں عمل نیک کی گنجائش بہت ہے، انسان ان موسم میں حسب طاقت عملی انجام سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اعمال صالحہ پر مداومت کرنا اللہ کے نیک بندوں کی صفت ہے، اس طور پر کہ ان کے عمل میں انقطاع نہیں آنا چاہیے جن حالات سے دوچار ہوں، بلاشبہ مداومت تو مجاہدہ، اور کسل مندی کے ترک کا مطالبہ کرتی ہے، اور ارادہ عمل بھی اس طور پر ہو کہ نفس کو مالا یطاق کا مکلف نہ بنایا جائے، کیوں کہ اس صورت میں عمل پر مداومت نہ ہو سکے گی، اور یہ بھی غیر مناسب بات ہے، کہ کوئی آدمی اپنے صالح اعمال میں مداومت کا خیال رکھے، بعدہٗ اس پہ پابند نہ کرنے سے عمل اور مداوت میں ترک اور انقطاع حائل ہو جائے، چناں چہ عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (**یا عبد الله لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترک قیام اللیل، رواه مسلم والبخاری**) اے اللہ کے بندوں فلاں شخص جیسے نہ بنو، کہ وہ تو قیام اللیل ''تہجد'' پڑھا کرتا تھا پھر (اکتاہٹ کے باعث) قیام اللیل کو ترک کر دیا، بخاری و مسلم نے روایت کی ہے۔

رمضان میں عمل صالح پر مداومت کے طفیل تین امور کا استفادہ کر سکتے ہیں: (۱) تقویٰ (۲) مراقبہ (۳) استقامت دین

لہٰذا جب ہم مذکورہ چیزوں کی رعایت اور پابندی کریں تو ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی میں سربجود ہو کر دین پر ثبات قدمی اور صبر و کی دعا کرتے رہیں، مزید صالحین کو نمونہ زندگی بنائیں اور ذکر الٰہی اور تلاوت کی کثرت نیز علوم شرعیہ کے دائرہ میں سوال و جواب اور اس پر عمل پیرا ہونا، گناہ صغیرہ سے بچنا ایک ضروری عمل ہے، موسم رمضان کے بعد اعمال صالحہ کے موقعے بار بار آتے رہتے ہیں، مثلاً رمضان کے روزے مکمل ہو جائیں تو اس کی جگہ نفلی روزے ہیں اور جب قیام رمضان ''تراویح'' مکمل ہو جائے تو قیام اللیل ''تہجد'' باقی ہے، اور صدقہ فطر کا زمانہ گذرنے کے بعد زکوۃ مفروضہ کا زمانہ آپڑتا ہے۔ ___ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے عمل کی بندش کے لئے موت کے علاوہ کوئی اور مدت متعین نہیں فرمائی پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین.** اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو امر یقین ''موت'' نہ آجائے۔ انشاء اللہ یہ نصیحتیں عمل صالح میں مداومت اور سلف صالحین کی اقتداء اور ان کی روش اختیار کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

(بقیہ صفحہ ۶۴ سے) **تبصرہ کتب:**

کتاب: کتاب شہدائے اسلام قدم بہ قدم **ضخامت:** ۵۹۲ صفحات **قیمت:** درج نہیں

ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

تاریخ اسلام اہل اسلام کی ان جانثار اور سرفروشوں کی بے مثال قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جنہوں نے زندگی کی قیمتی سرمایہ حیات کو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اسلامی کی سربلندی' وبقاء دوام کیلئے صرف کیا۔ لیکن پھر بھی کہنے لگے۔ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا۔ اس مقام رفیع کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔

احب ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احی ثم اقتل ثم احیٰ ثم اقتل او کماقال علیہ السلام

زیرِ نظر کتاب قرون اولیٰ سے لیکر دور حاضر تک جذبہ شہادت سے سرشار میدان جہاد کی شہسواروں **رھبان باللیل فرسان بالنھار** 'کاروان شہداء کی تذکروں سے لبریز ہے۔ تصویری خاکوں نے کتاب کا حسن دوبالا کر دیا ہے۔ کتاب یقیناً نہایت مفید جاذب نظر اور پرکشش ہے۔ دلوں میں جذبہ شہادت رکھنے والوں کیلئے ایک انمول تحفہ' بے بہا خزانہ اور جامع تذکرہ ہے جس سے ہر مسلمان خاص وعام اپنے قلب ونظر کو تسکین پہونچا سکتا ہے۔ یقیناً ادارہ تالیفات اشرفیہ کا یہ تازہ شاہکار اسلام کیلئے قربانیاں دینے والوں کی واقعات شہادت کو یکجا کرنا بہت بڑا کام اور امت مسلمہ کے مسلمانوں کیلئے انشاء اللہ راہنمائی کا ذریعہ بنے گا۔ دعا ہے کہ اللہ ادارہ ہذا کو اسلام کی نشر واشاعت کی مزید توفیق دے اور کتاب کے ہر دو مرتبین کو جزائے خیر اور سعادت دارین نصیب فرمائیں۔

ترتیب: مولانا سید محمد یوسف شاہ
جنرل سیکرٹری جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد

قائد جمعیت مولانا سمیع الحق صاحب کا دورہ جنوبی اضلاع

دفاع اسلام اور استحکام پاکستان کے سلسلہ میں کرک، لکی مروت، درہ پیزو، کلاچی، ٹانک، ڈیرہ اسماعیل خان، دریا خان وغیرہ کے اہم مدارس دینیہ میں علماء و طلباء سے خطاب

موجودہ ملکی اور بین الاقوامی سیاسی صورتحال یقیناً ہر پاکستانی کیلئے لمحہ فکریہ ہے اور ہر پاکستانی اپنی بساط کے مطابق اس کوشش میں ہے کہ کوئی موثر آواز اٹھائے۔ یہی بے چینی اور تشویش سب سے زیادہ قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو ہے اور صرف اس بار نہیں اس سے قبل ہر نازک موقع پر ملک کی سلامتی اور استحکام کیلئے ان کی جدوجہد تاریخ کا ایک حصہ ہے۔

ہر پاکستانی کو بخوبی علم ہے کہ ملک کے دینی جماعتوں کے اتحاد متحدہ دینی محاذ، متحدہ شریعت محاذ، متحدہ علماء کونسل، ملی یک جہتی کونسل، دفاع افغانستان و پاکستان کونسل، متحدہ دینی محاذ کا قیام حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے وہ کارنامے ہیں جسے کوئی پاکستانی فراموش نہیں کرسکتا ہے۔ اس وقت جو صورتحال ہے وہ پہلے سے زیادہ خطرناک ہے اس وقت مقابلہ براہ راست امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے ہے اور امریکہ نے فیصلہ کیا ہے کہ پاکستان کے دینی اور اسلامی تشخص کو مٹانا ہے پاکستان کے تمام وسائل بشمول ایٹمی قوت پر قبضہ کرنا ہے۔ اور ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے حکمران اور سیاستدان بھی ان سے ملے ہوئے ہیں ان کو ملک کی غلامی کا احساس تک نہیں اور وہ رات دن لوٹ کھسوٹ میں معروف ہیں۔ لیکن الحمدللہ جمعیت علماء اسلام جو ایک نظریاتی جماعت ہے، اور ہمیشہ نظریات کی جنگ لڑتی ہے۔ اس وقت بھی میدان میں صرف جمعیت علماء اسلام اور قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ہیں، جو تمام دینی اور سیاسی جماعتوں پر چھائی ہوئی مایوسی کو ختم کرنے کے لئے دو تین ماہ سے معروف عمل ہیں، حال ہی میں انہوں نے اپنی ضعیف العمری کے باوجود انتہائی نامساعد حالات میں صوبہ سرحد کے دور افتادہ اور نہایت حساس جنوبی اضلاع کا تین روزہ دورہ کیا اور عوام اور علماء کو ایک نیا حوصلہ دیا۔ دورہ کا آغاز کرک سے ہوا کیونکہ کرک وہ ضلع ہے جس میں ہمیشہ جمعیۃ علماء اسلام (س) اور مولانا کا نمائندہ کامیاب ہوا ہے اسی ضلع سے جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی امیر شیخ الحدیث مولانا نعمت اللہ مدظلہ تین بار حضرت مولانا شہید احمد صاحب مرحوم قومی اسمبلی کے ممبر بنے اور پچھلے الیکشن ۲۰۰۲ء میں ان کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز مجاہد کامیاب ہوئے تھے اور گزشتہ الیکشن میں بھی یہ سیٹ جمعیت کی پکی تھی اگر جمعیت انتخابات کا بائیکاٹ نہ کرتی، کرک کے حدود کڑپہ سے شروع ہوتے ہیں، قائد جمعیت جیسے ہی کرک کی حدود میں داخل ہوئے تو کرک کے جانثار کارکنوں نے مولانا شاہ عبدالعزیز مجاہد کی قیادت میں سینکڑوں کارکنوں کے ہمراہ قائد جمعیت کا استقبال کیا۔ اور جلوس کی شکل میں کرک شہر لے جایا گیا۔ جہاں بار روم میں وکلاء سے خطاب کرنا تھا، وکلاء حضرات جو انتہائی معروف لوگ ہیں لیکن وہ صبح ہی سے قائد جمعیت کے منتظر تھے، جونہی قافلہ کچہری پہنچا تو بار روم کے صدر جان عالم کی قیادت میں وکلاء نے گرم جوشی سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا استقبال کیا اور ایک بڑے ہال میں لے جایا گیا۔ جہاں سینکڑوں وکلاء موجود تھے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے وکلاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی نظام میں عدل و انصاف اور مظلوم کی دادرسی کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی سے

زیادہ اہم ہے۔ ہماری عدلیہ کو کسی خوف اور لالچ کے بغیر جرات مندانہ فیصلے اور اقدامات جاری رکھنے چاہئیں۔ حضرت مولانا صاحب نے عدلیہ اور جمہوریت کے لئے وکلاء کی بے مثال جدوجہد پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق کو ملک پر بیرونی تسلط کے تشویشناک صورتحال پر توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ملک کی آزادی پوری قوم کا مسئلہ ہے۔ اور چھینی گئی آزادی کی بحالی کے لئے وکلاء اور علماء کو شانہ بشانہ نکلنا چاہیے۔ اور ملک کے استحصالی نظام کو دونوں طبقوں کو اکٹھے ہو کر تبدیل کرنے کے لئے کام کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے موجودہ عدالتی نظام کی اصلاح کے لئے وکلاء اور جج جو بھی اقدام کریں گے علماء اور دینی قوتیں ان کے ساتھ ہوں گی۔ اس سے قبل جمعیۃ علماء اسلام نے سینٹ میں شریعت بل کی شکل میں جو طویل اور عظیم جنگ لڑی اس بل کا بنیادی مقصد بھی نظام عدل کی اصلاح تھی اور بالآخر اس جنگ میں وکلاء نے ہمارا ساتھ دیا۔ بار روم سے خطاب کے بعد حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ جمعیت علماء اسلام کے دیرینہ بزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد ممتاز مرحوم کی تعزیت کیلئے ان کے گھر گئے اور ان کے صاحبزادوں سے مولانا مرحوم کی تعزیت اور فاتحہ خوانی کی۔ یہاں سے فارغ ہو کر مولانا صاحب چوکرہ گئے جہاں مولانا ولی اللہ نے ظہرانے کا اہتمام کیا تھا۔ اس میں شرکت کر کے کرک بازار کے ٹاؤن ہال گراؤنڈ میں منعقدہ دفاع اسلام واستحکام پاکستان کنونشن کے لئے روانہ ہوگئے۔ امیری چوک سے مولانا شاہ عبدالعزیز مجاہد، مولانا امام محمد، مولانا ڈاکٹر میرزا قیم، مولانا عبدالوہاب ملنگ، مولانا نادر علی حقانی کی قیادت میں قائد جمعیت کو ایک بڑے جلوس میں نعروں کی گونج میں جلسہ گاہ لے جایا گیا۔ کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے کہا کہ آئینی ترامیم پر ملک کے تمام سیاسی پارٹیوں کا اتفاق رائے اور یکجہتی کا مظاہرہ خوش آئند اور قابل تحسین ہے۔ ہمیں ملک کو درپیش اصل مسئلہ ملک کی آزادی اور خودمختاری کی خاطر اسے امریکی غلامی سے نجات دلانے پر بھی اتفاق رائے اور مکمل ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ مولانا صاحب نے کہا کہ امریکہ میں فوجیوں اور سول قیادت کیساتھ پاکستان کی تقدیر کے فیصلے ہو رہے تھے، اور سٹرٹیجک مذاکرات میں پاکستان کی غلامی پر مہر لگانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ ایسے حالات میں ہمارے حکمرانوں اور سیاستدانوں نے آئینی ترامیم کی آڑ میں نان ایشو کو بڑا مسئلہ بنا کر قوم کی توجہ امریکی سازشوں سے ہٹانے کی کوشش کی جبکہ امریکی غلامی سے نجات اور پاکستان کی آزادی پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کی ذمہ داری ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ نواز شریف اس سازش کا کیوں شکار ہوگئے۔ نام کا ہوا کھڑا کر کے بالآخر اسی نام پر راضی ہوگئے۔ جلسہ سے فارغ ہو کر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ جمعیت علماء اسلام (ف) کے ایم پی اے ملک محمد قاسم کے گھر گئے اور ان سے ان کے والد کی وفات پر تعزیت کی۔ نماز عصر سے قبل مولانا صاحب مدرسہ مدینۃ العلوم شہید آباد ولدانہ گئے جہاں سینکڑوں علماء وطلباء اور عوام جمع تھے، مدرسہ کے طلباء نے دو رویہ کھڑے ہو کر پرجوش استقبال کیا۔ مولانا صاحب نے یہاں مختصر خطاب کیا اور جمعیت کے سرپرست مولانا عبیداللہ کی صاحبزادی کی وفات اور جمعیت کے رہنما صاحب گل چیئرمین کی والدہ صاحبہ مرحومہ کی وفات پر ان سے تعزیت کی۔ یہاں سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ لکی مروت روانہ ہوگئے۔ تاجہ زئی میں علاقہ کے ممتاز عالم دین اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے خصوصی شاگرد جمعیت ضلع لکی مروت کے سرپرست اعلیٰ مولانا محمد عمر خان کے دو صاحبزادوں کے دعوت ولیمہ میں شرکت کی اور ایک بڑے مجمع سے خطاب کیا۔ دوسرے دن صبح نو بجے دارالعلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن لکی مروت میں جمعیت علماء اسلام کے ضلعی کنونشن میں شرکت کی۔ کنونشن میں جمعیت ضلع لکی مروت کے انتخابات بھی ہوگئے، انتخابات کی نگرانی بندہ نے کی، آئندہ تین سال کیلئے ضلعی امیر مولانا حبیب اللہ حقانی اور مولانا حبیب الرحمٰن حقانی، جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ قائد جمعیت نے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت سب سے بڑا ایشو دفاع اسلام اور استحکام پاکستان بلکہ ملک کی آزادی کی بحالی ہے، اور ہماری پارٹی مصلحتوں کی سیاست سے بالاتر ہو کر مذکورہ مقاصد کیلئے ازسرنو قوم کو اور علماء طلباء کو منظم کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہمیں جن بحرانوں کا سامنا

ہے یہ سب جنرل پرویز مشرف کے شرمناک اقدامات اور پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ اور اسے مضبوط کرنے میں ایم ایم اے کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور یہ جماعتیں ان جرائم میں برابر کی شریک ہیں۔ جبکہ ہماری جماعت کی سیاست مفادات' منافقت اور مصلحتوں پر یقین نہیں رکھتی' یہ ایک نظریاتی جماعت ہے اور نظریات کا دفاع کر رہی ہے۔

لکی مروت سے قائد جمعیت کا قافلہ درہ پیزو روانہ ہوگیا۔ قافلہ میں مولانا شاہ عبدالعزیز مجاہد سابق ایم این اے' مولانا ڈاکٹر میرزا قیم' مولانا حبیب اللہ حقانی' مولانا عید محمد اور بندہ کے علاوہ دیگر علماء موجود تھے' قافلہ جونہی درہ پیزو پہنچا تو علاقہ کے عظیم دینی ادارہ جامعہ حلیمیہ کے طلباء اساتذہ جامعہ کے مہتمم جمعیت علماء اسلام (ف) کے ضلعی امیر حضرت مولانا محمد محسن شاہ فاضل حقانیہ کی قیادت میں اپنے استاد کے منتظر تھے۔ قائد جمعیت قائد حق' سمیع الحق' سمیع الحق کے نعروں کی گونج میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کو مدرسہ کے بڑے ہال میں لے جایا گیا۔ جہاں مولانا صاحب نے مدارس کی اہمیت' ضرورت پر تفصیلی خطاب کیا' انہوں نے کہا کہ دینی مدارس سے ہمارا اسلامی تشخص قائم ہے' مگر اسے غیر ملکی طاقتوں کی خوشنودی کیلئے دہشت گردی سے وابستہ کرتے ہیں' انہوں نے کہا کہ اس وقت ملک داخلی اور خارجی خطرات اور سازشوں میں گھرا ہوا ہے۔ قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے' مہنگائی اور بدامنی نے تباہی مچادی ہے۔ فوج عوام پر بمباری کر رہی ہے اور عوام سرکاری فورسز پر مگر ہمارے سیاستدانوں کو نام کی پڑی ہوئی ہے یہ ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ روم جل رہا تھا اور حکمران بانسری بجا رہے تھے۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے کہا کہ عالم اسلام اور دینی طبقوں کو مغربی طاقتوں سے درپیش چیلنجوں کا سامنا ہے۔ اسلام دشمن قوتیں میڈیا کے ذریعے جس طرح اسلام اور اس کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کر رہی ہیں اس کا جواب آگے چل کر دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء اور علماء نے دینا ہے۔ ہمیں بندوق کا جواب دلیلوں اور حجت سے دینا ہے اور دنیا کو اسلام کی صداقتوں کو قائل کرنے کے لئے علمی نظری وفکری استعداد کی ضرورت ہے۔ جس کیلئے طالب علموں کو ہمہ وقت تیاری کرنی ہے۔ درہ پیزو کے بعد قائد جمعیت نے ایک بجے ٹانک پہنچنا تھا اور بعد میں کلاچی جانا تھا' مگر ٹانک میں اسی دن کرفیو نافذ ہونے کی وجہ سے پروگرام تبدیل کر کے کلاچی کے پروگرام کو مقدم کیا۔ کلاچی میں عرصہ سے جمعیت علماء اسلام کے مرکزی نائب امیر یادگار اسلاف محرک شریعت بل سابق سینیٹر حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب صاحب فراش ہیں' ان کی عیادت اصل مقصد تھا۔ مولانا قاضی عبداللطیف صاحب پاکستان میں یک اصول پسند اور نظریاتی سیاستدان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد جمعیت علماء اسلام کے بانی ارکان اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ مولانا غلام غوث ہزارویؒ کے دست راست تھے۔ جمعیت میں دھڑا بندی کے بعد سے اس وقت تک جمعیت علماء اسلام اور قائد جمعیت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ساتھ ہیں اور ہر موقع پر رہنمائی فرماتے رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی عیادت کیلئے جب پہنچے تو ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب جو اپنے وقت کے ایک برگزیدہ بزرگ اور گنے چنے فضلاء دیوبند میں سے ہیں۔ اپنے مدرسہ کے اساتذہ صاحبزادوں اور تلامذہ کے ہمراہ منتظر تھے۔ حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب سے تقریباً ایک گھنٹہ موجودہ ملکی اور جماعتی امور پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ اور ان کی صحت یابی کیلئے دعا کی گئی۔ ملاقات کے بعد مدرسہ نجم المدارس کے طلباء اور اساتذہ سے مدرسہ کے کتب خانہ میں مختصر خطاب کیا' مولانا کے خطاب سے قبل مدرسہ کے بانی اور مہتمم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم نے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کو انکی علمی سیاسی اور دینی جدوجہد پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ یہاں ہم بیٹھے تھے کہ معلوم ہوا کہ ٹانک میں کرفیو ختم کر دیا گیا۔

۴ بجے ٹانک روانہ ہوئے۔ علاقہ بالکل سنسان پڑا تھا' لوگوں پر خوف کی فضاء طاری تھی۔ جگہ جگہ تلاشی اور چیکنگ فوج کے

جوان اور پولیس والے کرر ہے تھے۔ٹانک انتظامیہ نے حالات کی نزاکت اور خطرات کی وجہ سے تین موبائل گاڑیاں ساتھ کردیں تقریباً عصر کے وقت قائد جمعیت قافلہ کے ہمراہ گرہ شیخ سلطان پہنچے جہاں مدرسہ مصباح العلوم کے وسیع صحن میں جلسہ منعقد تھا۔یہاں سفر کا مقصد جمعیت علماء اسلام ضلع ٹانک کے ضلعی امیر حضرت مولانا شیخ محمد شفیع کی تعزیت اوران کی یاد میں منعقدہ تعزیتی جلسہ میں شرکت کرنا تھی۔شیخ محمد شفیع کو گزشتہ مہینے نامعلوم دہشت گردوں نے نماز فجر کے وقت اپنے مدرسہ میں شہید کردیا تھا۔مولانا شیخ محمد شفیع زمانہ طالب علمی سے لیکر تاوفات قائد جمعیت کے ساتھ ہر موقع پر استقامت کے ساتھ شانہ بشانہ چلتے رہے۔بہت سے لوگ مفادات کے شکار ہوگئے لیکن شیخ محمد شفیعؒ نے علماء حق کا ساتھ نہ چھوڑا۔اس جلسہ میں وانا وزیرستان جمعیت کے ذمہ داران حضرت مولانا حافظ عبدالوارث حقانی' مولانا زرولی خان حقانی' مولانا جان محمد حقانی' حافظ اللہ نورؒ اور دیگر احباب نے بھی شرکت کی۔قائد جمعیت نے اپنے خطاب سے قبل مولانا شیخ محمد شفیعؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد انور حقانی کی دستار بندی کی اور جمعیت علماء اسلام ضلع ٹانک کی امارت اور مدرسہ کا اہتمام سونپا گیا۔

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اس موقع پر مولانا شیخ محمد شفیع کی دینی سیاسی اور جماعتی خدمات کو سراہا اوران کی وفات کو علمی ودینی سیاسی حلقوں اور بالخصوص جمعیت علماء اسلام کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔اور شہید کے قاتلوں کی فی الفور گرفتاری کا مطالبہ کیا۔مغرب کی اذان ہوگئی تو قائد جمعیت کی امامت میں مغرب پڑھ کر ڈیرہ اسماعیل خان روانہ ہوگئے۔____ رات کو ڈیرہ اسماعیل خان میں قیام کر کے تیسرے دن علی الصبح مدرسہ سراج العلوم گئے اور حضرت مولانا قاری خلیل احمد سراج اور معروف عالم دین ختم نبوت مومنٹ کے مرکزی جنرل سیکرٹری مولانا احمد علی سراج سے ان کی والدہ کی وفات پر تعزیت کی' یہاں سے فراغت کے بعد جمعیت علماء اسلام (ف) کے مرکزی ناظم مالیات خواجہ محمد زاہد صاحب' جو پچھلے دنوں ضمنی الیکشن کے موقع پر ایک بم دھماکہ میں شہید ہوگئے تھے ان کے گھر جاکر تعزیت کی اس موقعہ پر شہید کا سارا خاندان جمع تھا۔ڈیرہ میں قائد جمعیت نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا' انہوں نے کہا کہ ملک جس تشویشناک صورتحال سے دوچار ہے اس میں فرقہ وارانہ جذبات اور منافرت کی آگ بڑھکانے والے ہمارے بیرونی استعماری دشمنوں کا راستہ ہموار کرر ہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ پہلے کی طرح اس آگ کو بجھانے کیلئے ہم تیار ہیں۔ملی یکجہتی کونسل جیسے پلیٹ فارم کو دوبارہ فعال بنانے کی ضرورت ہے۔

ڈیرہ اسماعیل خان سے دن بارہ بجے فارغ ہوکر قافلہ کے دوسرے شرکا کو واپس کر کے قائد جمعیت پنجاب کے دریا خان ضلع بھکر روانہ ہوگئے۔جہاں شہر سے بیس کلومیٹر دور علماء اور کارکنوں نے جناب یونس انقلابی کی قیادت میں استقبال کیا۔جمعیت کے دیرینہ کارکن حاجی محبوب زرگر کے مکان پر انہیں ظہرانہ دیا گیا۔جسمیں جماعتی کارکنوں کے علاوہ پریس سے وابستہ افراد اور دیگر علماء نے شرکت کی۔حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے اس موقع پر جمعیت کے سرکردہ رہنما جناب محمد یونس انقلابی کے دینی ادارہ کا سنگ بنیاد رکھا جسے شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ سے منسوب کر کے مدرسہ مولانا عبدالحق حقانیؒ رکھا گیا ہے۔

دریا خان سے جاتے وقت تلہ گنگ میں جمعیت علماء اسلام کے بزرگ رہنما حاجی غلام حیدر کی رہائش گاہ پر مختصر وقت کے لئے قیام کیا اور پریس کے نمائندوں سے بات چیت کی۔یہاں جمعیت کے ضلعی امیر مولانا پیر محمد اکبر ساقی اور دیگر علماء موجود تھے۔حضرت مولانا سمیع الحق صاحب نے علماء پر زور دیا' وہ منبر ومحراب کو چھوڑ کر میدان عمل میں کودیں۔اور آنے والے کفری سیلاب کے سامنے بند باندھیں۔انہوں نے کہا کہ آئے دن ڈرون حملوں کی وجہ سے پاکستان کے اندر امن وامان تباہ ہوگیا' اپنے ملک کے اندر لوگ ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔اب بھی وقت ہے اگر حکمرانوں نے ہوش سے کام لیا اور اپنی پالیسی کو یکسر تبدیل کر کے امریکہ سے الگ ہوگئے تو ملک میں یقیناً امن قائم ہوگا اور لوگ سکھ کا سانس لیں گے۔

مولانا عدیل قاسمی مصطفائی' انڈیا

حضرت مولانا امام شاہ فضل رحمان صدیقی گنج مراد آبادیؒ

صالحین کے واقعات و حالات میں اہل نظر کے لئے بڑی ہی نصیحت وبصیرت کا سامان ہوتا ہے' ان سے دلوں کو روشنی' روحوں کو تازگی اور فکر ونظر کو بالدیگی ملتی ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاں اور اسرار ورموز اور شرائع و قوانین کی عقدہ کشائی کی ہے۔ وہیں انبیائے سابقین اور اقوام ماضیہ کے حالات و واقعات بھی بڑی اثر انگیزی اور فیاضی سے بیان کئے ہیں اور ہمارے لئے انہیں سامان نصیحت وبصیرت قرار دیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے'' بے شک ان کے واقعات میں اہل عقل کے لئے بڑی نصیحت ہے۔ بلاشبہ ان کے حالات و واقعات میں ہمارے لئے درس عبرت ہے' ان کے اسرار وافکار میں ہمارے لئے گنجینہ حکمت ہے' ان واقعات میں جو کیف ولذت مستور ہے' ان کا لطف اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب حضور قلب اور اکتساب فیض کے ارادے سے ان کا مطالعہ کیا جائے۔

چودھویں صدی ہجری ایک طرح سے عظیم شخصیات کی صدی ہے' خاص طور پر ہندوستان میں جس قدر عظیم المرتبت اور برگزیدہ ہستیاں اس صدی نے پیدا کیں شاید ہی کبھی اس سے پہلے ایسا ہوا ہو۔ مذہب' سیاست' معاشرت' صحافت' غرض یہ کہ ہر شعبے میں بڑے بڑے لوگوں نے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا' اور شاندار کارنامے رقم کئے۔ علماء مشائخ میں بھی ایسی ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جن کی عظمت کا اعتراف رہتی دنیا تک ہوتا رہے گا۔

حضرت مولانا امام شاہ فضل رحمان صدیقی گنج مراد آبادی قدس سرہ بھی ایسی ہی شخصیت تھے' جن پہ ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ آپ مسلمانوں کے زمانہ عروج میں پیدا ہوتے تو یقیناً امام شبلی اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہم پلہ قرار پاتے۔ لیکن افسوس کہ دور زوال میں ہندوستان ان کی صلاحیتوں سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکا' اسکے باوجود اس دور کا تذکرہ نگار ان الفاظ کو صفحہ قرطاس پر ضبط تحریر میں لائے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت مولانا فضل رحمان کے اوصاف حمیدہ اور خصائص پسندیدہ! ایسے نہیں ہیں کہ زبان بریدہ قلم بے بنیاد کاغذ پہ ان میں سے تھوڑے بھی لکھ سکے اور انسان ضعیف البسیات کی کیا مجال ہے کہ ان کا عشر عشیر بھی بیان کر سکے (تذکرہ علماء ہند صفحہ ۳۷۹ مولوی رحمان علی)

حضرت مولانا امام شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی یکم رمضان المبارک بوقت صبح صادق ۱۲۰۸ھ کو اودھ کے علاقے اناؤں میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا اسم مبارک (حضرت) شاہ اہل اللہ تھا جو حضرت شاہ عبدالرحمٰن لکھنوی

کے مرید تھے اور حضرت گنج مراد آبادی کا نام ''فضل رحمان'' آپ ہی نے تجویز فرمایا اور اسی سے آپ کی تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ (تذکرہ محدث سورتی صفحہ ۵۳)

آپ کا سلسلہ نسب ۲۹ واسطوں سے ہوتا ہوا خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جاملتا ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق اس دور میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ حضرت اہل اللہ کے یہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان کے مہینے میں دودھ نہیں پیتا۔ اس بات کا اس قدر چرچا ہوا کہ جب کبھی رمضان المبارک کی ۲۹ تاریخ کو مطلع ابر آلود ہوتا تو لوگ آپ کی والدہ کے پاس آکر دریافت کرتے کہ کیا آج آپ کے بچے نے دودھ نوش فرمایا ہے۔ آپ کی والدہ بتاتیں کہ ہاں تو وہ یقین کر لیتے کہ شوال کا چاند ہوگیا۔ (مسالک السالکین صفحہ ۱۹۷ جلد دوم)

بے شک اللہ جسے اپنا محبوب بنالیتا ہے اسے شریعت کی پاسداری عہد طفلی ہی سے ودیعت فرمادیتا ہے۔ کیونکہ وہ تو دوسروں کو شریعت کا تابع بنائے گا۔ بھلا خود کیونکر خلاف شرع کام کرے گا۔ بچپن میں روزہ رکھنا اور دودھ نہ پینا شرعی حکم نہیں مگر آپ کا دودھ نہ پینا اور روزہ رکھنا آپکی ولایت کی طرف اشارہ تھا۔

آپ نے ابتدائی کتب درس نظامی (فقہ اصول وکلام کا تکملہ وغیرہ) حضرت مولانا نورالحق بن مولانا انوارالحق فرنگی علی سے لکھنؤ میں کیا۔ آپ نے فرمایا ''ہم نے ان سے تفسیر بیضاوی وکامل قدوری اور پھر ہدایہ مکمل پڑھیں' اس کے بعد دہلی کا سفر اختیار فرمایا۔ جہاں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے قرآن کریم حرفاً حرفاً صحاح ستہ' موطا امام مالک' موطا امام محمد' مسند امام اعظم' تفسیر قرطبی' دارمی' دارقطنی' معجم کبیر' مستدرک' جامع صغیر' قسطلانی' تفسیر کبیر' تفسیر روح البیان' تفسیر بغوی' فقہ میں فقہ اکبر' شرح فقہ اکبر کا مکمل درس لیا اور سند فراغت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کو تمام طلباء سے الگ بعد نماز عشاء درس دیا کرتے تھے۔ اور اس درس میں صرف شاہ صاحب کے داماد سید ظہیر الدین شہید کو شرکت کی اجازت تھی۔ ایک روز سید ظہیر الدین شہید نے دوران درس شاہ صاحب نے عرض کیا کہ مولانا فضل رحمان کو سب سے الگ درس دینے میں کیا حکمت ہے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ مولوی فضل رحمان کو سب سے علیحدہ پڑھانے میں یہ راز ہے کہ ''وہ تو جہات رسالت سے پڑھتے ہیں' ان کو برابر حضوری رسالت حاصل رہنے کو وجہ سے میں بھی یہ پسند کرتا ہوں کہ میری راتیں بھی حضوری رسالت میں حدیث وقرآن خوانی کے ساتھ گزریں'' مولوی فضل رحمان کو بفیض مصطفائی وہبی علوم عطا ہورہے ہیں۔ سب کچھ وہ آنحضرت ﷺ سے پالیتے ہیں اور پوچھ لیتے ہیں۔ (رحمت ونعمت صفحہ ۱۱۶)

حضرت مولانا فضل رحمان کو علم حدیث سے خصوصی شغف تھا اور معقولات کہ شدید مخالف تھے' یہی وجہ ہے کہ آپ سے ارادت رکھنے والے علماء نے علم حدیث کے فروغ کی جانب خصوصی توجہ دی' اگر بہ نظر غائر ہندوستان میں علم حدیث کے فروغ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ہی سے فیض یافتہ ارباب علم ودانش کے دم قدم سے آج تک

علم حدیث کی شمع برصغیر پاک و ہند میں روشن ہے۔

آپ سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ کے شہر آفاق بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد آفاق دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، سلوک کی تعلیم حاصل کی اور بیعت خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کے مرشد نے آپ کو علامہ ابن جزری کی کتاب حصن حصین پڑھائی اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ حضرت شاہ آفاق دہلوی آپ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور بیشتر الوقات آپ کے مرشد نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی۔ مرشد کی نظر عنایت دیکھ کر بعض مریدوں نے عرض کیا کہ وہ پہلے سے مرید ہیں لیکن ان پر اتنی نظر عنایت کیوں نہیں جتنی کہ مولوی فضل رحمان پر ہے۔ حضرت شاہ آفاق نے جواب دیا ''تم کو میں چاہتا ہوں کہ کچھ ہو جاؤ اور ان کو حق تعالیٰ چاہتا ہے لہٰذا میں بھی اسی کو چاہتا ہوں جس کو حق تعالیٰ چاہتا ہے'' (تذکرہ اولیائے پاک و ہند صفحہ ۳۹۰)

آپ کو مجاہدہ اور ریاضت سے حد درجہ شغف تھا' چنانچہ زندگی کا بیشتر حصہ اپنی خانقہ میں بسر کیا' آپ کے مجاہدہ باطنی اور علم وعرفان کی شہرت ایسی عام تھی کہ لوگ دور و نزدیک سے جوق در جوق آپ کی زیارت کیلئے گنج مراد آباد پہنچا کرتے تھے' صاحب نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحئی رقمطراز ہیں'' جہاں تک کہ آپ کے کشف وکرامت کا تعلق ہے تو وہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں اور اس بارے میں بھی اولیائے متقدمین میں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے علاوہ اور کوئی نظیر نہیں ملتی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم صفحہ ۱۷)

راقم الحروف کے نزدیک آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ کی ذات والا غیر منقسم ہندوستان کی آخری غیر متنازع شخصیت تھی' جس دور میں علماء کے درمیان مسلکی اختلافات رونما ہو چکے تھے' اس کے باوجود آپ مختلف الخیال علماء کی نگاہوں میں محبوب ومقبول اور مرکز عقیدت رہے۔ آپ کا آفتاب ولایت آج بھی نصف النہار پر ہے اور بہر دور اس کی آب و تاب میں کمی آنے کا اندیشہ نہیں۔ آپ نے ۱۰۵ سال کی طویل عمر پائی اور ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ بروز جمعہ بعد نماز عصر داعی اجل کو لبیک کہا۔

گنج مراد آباد (ہندوستان) میں مزار مرجع الخلائق ہے۔ آپ کے وصال پر ملال پر پورے ہندوستان میں انتہائی رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ حضرت مولانا سید حاجی محمد قاسم حسین ہاشمی مصطفائی فضل رحمانی بریلوی (مرید وخلیفہ حضرت شاہ فضل رحمان) فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی کے وصال پر آفتاب کرامات و سلوک غروب ہو گیا۔ تاج درویشی اہل سلوک سے اہل جذب میں منتقل ہو گیا۔ (بیعت کی حقیقت ص ۱۳)

سر سید احمد خان نے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں تعزیتی نوٹ میں لکھا'' حضرت شاہ فضل رحمان عارف باللہ تھے' ان کی ذات ستودہ صفات علماء مشائخ کے لئے رہنمائی اور حصول قرب الٰہی کا ذریعہ تھی۔ آپ کے عقیدت مند ہر سال ہندوستان اور پاکستان کے مختلف گوشوں میں آپ کا عرس نہایت عقیدت واحترام سے مناتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی
مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

علامہ اقبالؒ کا پیغام امت مسلمہ کے نام

شاعر مشرق حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری اور اپنے آفاقی کلام کے ذریعہ مسلم خوابیدہ کو بیدار کیا اور اس کو اپنی عظمت رفتہ کی یاد دلائی۔ ان کی شاعری بامقصد شاعری تھی' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ اس عظیم نعمت کو ملت مسلمہ میں مؤمنانہ شان خودی حمیت اور حریت جیسی صفات عالیہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کی۔ چنانچہ آج ان کا آفاقی کلام چاردانگ عالم میں گونج رہا ہے۔ اور دنیا کی تمام معتبر زبانوں میں اس کے تراجم کئے گئے ہیں۔ یہاں پر ہم آپ کی شاعری کی لفظی صناعی پر بحث نہیں کررہے بلکہ ان تعبیرات کے پیچھے جو مخفی پیغام آپ نے "امت مرحومہ" کو دیا ہے اس سے متعلق عرض کررہے ہیں۔

علامہ اقبال نے اس وقت اپنی شاعری کا آغاز کیا جب برصغیر میں فرنگی راج تھا اور انگریز سرکار کا پرچم ہرسو لہرارہا تھا۔ اس کے برعکس نہ صرف برصغیر بلکہ تمام دنیا میں مسلمان اقتصادی' سیاسی وسماجی اور دیگر حیثیات میں ذلت و پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں گھرے ہوئے تھے' اسی دوران آپ کی مسحور کن شاعری نے امت مسلمہ کو اپنا کھویا ہوا مقام یاد دلایا۔ ع مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہے

ان کا سینہ عشق رسول اللہ ﷺ سے مملو تھا اور امت مسلمہ اور ملت اسلامی کی زبوں حالی پر آپ کڑھتے تھے۔ اسی لئے مسلمانوں کی بیداری کے لئے شاعری کا جو پیرایہ اختیار کیا وہ ایک لافانی انداز ہے' ان کی شاعری محض لفاظی اور خوبصورت تراکیب کی صنعت گری نہیں تھی' نہ وہ شاعری برائے شاعری کے قائل تھے بلکہ انہوں نے ایک عظیم مقصد کو سامنے رکھ کر شاعری کی' جس میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی ملت دین و مذہب اور اپنے اسلاف کے نام کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ مربوط ہونے کا درس دیا ہے۔ آپ کا فلسفہ آفاقی ہے' اور اسی آفاقیت نے آپ کو نہ صرف مسلمانوں اور عالم اسلام میں مقبول بنایا' بلکہ تمام دنیا میں آپ کو جو احترام حاصل ہے' وہ بہت کم حضرات کے حصہ میں آیا ہے۔

وہ امت کے سامنے اپنا درد دل پیش کررہے ہیں اس لئے وہ اس بات پر شکوہ کناں ہیں کہ لوگوں نے مجھے صرف ایک شاعر کی حیثیت سے پہچانا۔ اور میں ان کو جو آفاقی پیغام دینا چاہتا ہوں وہ اس کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

من اے میر امم داد از تو خواہم — مرا یاراں غزلخوانے شمردند

اے میرے آقاً میں حضور کی خدمت میں یہ فریاد لے کر آیا ہوں کہ میری قوم نے مجھے محض ایک شاعر سمجھا (کسی نے آپ سے تاریخ وفات لکھنے کی فرمائش کی تھی تو اس پر یہ شعر پڑھا)

وہ امت کو عشق رسول ﷺ سے سرشار دیکھنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے جو نسخہ کیمیاء قوم کے سامنے پیش کیا ہے، جو کہ عشق رسولؐ ہے اور اسی جذبہ سے معمور ہو کر تبلیغ اسلام کے لئے نکل پڑیں تو اس کے بہترین نتائج برآمد ہوں گے، چنانچہ شمع اور شاعر جو کہ آپ کی شہرہ آفاق کتاب بانگ درا میں جذب وکیف اور ذوق وشوق میں ڈوبی ہوئی طویل نظم ہے اس میں انہوں نے ان خیالات کا اظہار کس حسین پیرائے میں کیا ہے۔ پڑھیے اور کیف ومستی کے دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کیجئے

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
اس قدر ہوگی ترنم آفریں باد بہار — نکہت خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک — بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہوجائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن میں ہر کلی درد آشنا ہوجائیگی
دیکھ لو گے سطوت رفتار دریا کا مآل — موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود — پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہوجائے گی
نالہ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خون گل چیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں — محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے — یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

علامہ کی یہ مکمل نظم اپنی صوری اور معنوی حیثیت سے لاجواب نظم ہے اس کا لفظ لفظ دردِ دل میں ڈوبا ہوا ہے اس وجہ سے تو علامہ دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔

مرے اشعار اے اقبال کیوں پیارے نہ ہوں مجھ کو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کے یہ درد انگیز نالے ہیں

امت کی زبوں حالی اور ذلت وخواری پر پیش خدائے عزوجل یوں شکوہ سنج اور نالہ ریز ہیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار — مسلمانان چرا زار ند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم — دلے دارند ومحبوبے ندارد

ایک رات میں اللہ کے حضور گڑگڑا کر رویا اور استفسار کیا کہ (دنیا میں) مسلمان کیوں ذلیل وخوار ہیں تو غیب سے آواز آئی کہ تجھے معلوم نہیں کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ اس کے سینے میں تو دل موجود ہے لیکن افسوس کہ محبوب نہیں رکھتے۔

آپ نے پہلے اپنی شاعری کے لئے فارسی زبان کا انتخاب کیا' چنانچہ ''اسرار خودی' اور ''رموز بیخودی'' ۱۹۱۴ءاور ۱۹۱۵ء میں اور ''پیام مشرق'' ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئیں۔ یہ کتابیں چونکہ فارسی زبان میں ہیں اور مشکل بھی ہیں۔ اسی لئے جب آپ کی شہرہ آفاق کتاب ''بانگ درا'' ۱۹۲۴ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منصۂ شہود پر آئی تو لوگوں نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کو وہ پذیرائی حاصل ہوئی جو کسی دوسری کتاب کے حصہ میں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے اور اس کی بدولت اقبال کا نام برصغیر کے طول وعرض میں مشہور ہو گیا۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے کیونکہ شاعری کے ساتھ ساتھ آپ کے خیالات بھی ارتقائی مراحل سے گزرتے تھے' ابتدائی دور سے لے کر ۱۹۰۵ء تک آپ پر نیشنلزم اور وطن پروری کا جذبہ غالب تھا' اس میں آپ کی کچھ نظمیں اسی جذبہ کی عکاس ہیں۔ مثلاً آپ کی پہلی نظم ''ہمالہ'' اور اس کے ساتھ صدائے درد' تصویر درد' آفتاب' نیا شوالہ ترانہ ہندی وغیرہ۔

بانگ درا کے دوسرے حصے میں وہ نظمیں اور غزلیں شامل ہیں جو انہوں نے قیام یورپ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء کے دوران لکھیں۔ زمانہ قیام یورپ میں ان کی شاعری میں ایک خوش آئند اور عظیم انقلاب پیدا ہو گیا' وہاں انہوں نے مغربی تہذیب وتمدن کا بغور مطالعہ کیا اور آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ نظریہ قومیت اور وطنیت بنی آدم کے حق میں مفید نہیں اور اسی طرح اس دوران آپ نے اسلامی اصول اور اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا اور پھر اس نتیجے پر پہنچے کہ دنیا کی نجات اسلامی اصول زندگی کے تبلیغ واشاعت میں مضمر ہے۔ اور اسی کے ساتھ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ وہ اپنی شاعری کو اسلامی اصولوں کی تبلیغ کے لئے وقف کردیں گے تو قدرتی طور پر ان کی شاعری میں ''پیام'' کا رنگ غالب ہو گیا جو کہ ۱۹۰۸ء سے لے کر آخری عمر تک آپ کی ہر تصنیف اور ہر نظم میں نظر آتا ہے۔ اور اپنے اس آفاقی ''پیام'' کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت کا ادراک کرتے ہوئے انہوں نے فارسی زبان کا انتخاب کیا کیونکہ یہ زبان ایران' افغانستان' ترکستان اور عراق وغیرہ اسلامی ممالک میں بولی یا سمجھی جاتی ہے' گویا انہوں نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ تیس سال اسی پیام کی وضاحت میں صرف کئے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ آپ کا عشق عقیدت اور وارفتگی آپ کے ہر بن مو سے ٹپکتا ہے۔ اور بے جا نہ ہوگا کہ اگر آپکی شاعری سے عشق رسول کا عنصر نکالا جائے تو پھر کچھ نہیں بچے گا' مسلمانان عالم میں جذبہ عشق رسول ؐ اجاگر کرنے کے لئے آپ نے ایسے اشعار کہے اور ایسی نظمیں لکھیں جس سے دل کی دنیا لرز اٹھتی ہے اور عشق کی اہمیت اس کے درد اور اس کی سوزش پر آپ کے یہ اشعار کس قدر وجد آفریں ہیں۔

عشق دم جبرئیل عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات موت ہے اس پر حرام
عشق فقیر حرم عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

''پیام عشق'' کے یہ اشعار:

سن اے طلبگار درد پہلو میں ناز ہوں تو نیاز ہوجا
میں غزنوی سومنات دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہوجا
وجود افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی
فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زن طلسم مجاز ہوجا
یہ ہند کے فتنہ ساز اقبال آزری کررہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہوجا

''درد عشق کے عنوان سے معنون نظم کے مطلب کے متعلق جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی رقمطراز ہیں اس دلکش نظم میں اقبال نے عشق سے خطاب کیا ہے اور اس خطاب کے پردہ میں اس کی فضیلت اہمیت واضح کی' یہ نظم اسی اعتبار سے بہت اہم ہے اور ہماری خاص توجہ کی مستحق ہے کہ اس میں ہمیں ان تصورات کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں' جس پر آگے چل کر اقبال نے اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی' یہ تصور انہوں نے بانگِ درا میں پیش کیا' دراصل یہ وہ تخم ہے جو' ارمغان حجاز'' میں ایک تناور درخت بن گیا۔

بہرحال آپ کے آفاقی پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں اور عالم اسلام میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہونے عشق رسالت مآب اور خودی وملی غیرت کا جذبہ پیدا ہوجائے۔تاکہ ان کی عظمت رفتہ بحال ہو۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کردے

ریحان اختر *

خود ساختہ امن کا محافظ ہی-اصل دہشت گرد

آج کا دور بین الاقوامیت، حقوق انسانی، امن وآشتی اور مساوات ورواداری کے جھوٹے پروپیگنڈے کا دور ہے، پوری دنیا میں امن وشانتی اور تحفظ حقوق کا واویلا مچا ہوا ہے۔اور بدامنی ودہشت گردی کے خاتمے کے لیے طرح طرح قوانین کو نافذ کیا جارہا ہے۔دور جدید میں دو طاقتیں یعنی ''یہودیت اور عیسائیت'' اقوام عالم کو عام طور پر اور اہل اسلام کو خاص طور پر مغلوب اور زیر نگیں کرنے کے لیے دور جدید کے تمام بین الاقوامی ذرائع ووسائل پر اپنا کنٹرول کر کے مسلمان اور اسلام کے خلاف صدیوں سے ان کو استعمال کرتی چلی آرہی ہیں۔شرافت واخلاق، انسانیت نوازی انسان پروری، حقوق آزادی مساوات رواداری اور مذہب وعقیدہ کے تمام قوانین وضوابط سے بے پرواہ ہوکر اہل اسلام کے خلاف کمربستہ ہوگئے ہیں۔تمام دلدوز وہیبت ناک طریقے کو بروئے کار لاکر اپنی فرعونیت کا علم بلند کرنے کے لیے انسانیت کو تہہ تیغ کررہی ہیں۔اسی پر بس نہیں بلکہ دین اسلام کے ماننے والوں کی صاف وشفاف شبیہ کو پرگندہ کرنے کے لیے تمام علم وخبر کے بین الاقوامی ذرائع یعنی میڈیا خواہ وہ پرنٹ ہو یا الیکٹرانک میڈیا۔ٹی وی چینلز ہوں یا کہ انٹرنیٹ ہو ان تمام ذرائع ترسیل کو اسلام کے خلاف بڑی بے باکی سے استعمال کرتے ہیں۔اسلام کے خلاف افواہیں پھیلانا اور ان ماننے والوں کو فتنہ وفساد بدامنی کا خوگر اور دہشت گرد کہنا یہ مغرب کے شیوہ بن چکا ہے۔

عصر حاضر میں مغرب اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے تمام ممالک صرف ایک ہی راگ الاپتے ہیں اور مغرب کی گندی سر سے سر ملاتے ہیں کہ مسلمان کائنات انسانی کے لیے روز بروز ایک بہت بڑا خطرہ بنتا چلا جارہا ہے۔ صفحۂ ہستی سے اس کو مٹانا اپنا نصب العین ہونا چاہیئے۔اسلام ایک شدت پسند مذہب وعقیدہ ہے۔اس مذہب کے ماننے والے فرد وجماعت، اور ملک وقوم میں دہشت گردی وشدت پسندی کو پھیلاتے ہیں۔اور ان کی مقدس کتاب قرآن کریم میں غیر اقوام وملک کو قتل وغلام بنانے کے بھرپور تعلیمات موجود ہیں۔اس کتاب کے اندر ظلم وتشدد بھڑکانے جبر وقہر ڈھانے والے ضابطہ بھرے پڑے ہیں۔اور نہ ہی اسلام کے اندر اخوت وبھائی چارگی حقوق انسانی، آزادی فکر، مذہبی آزادی، حریت وآزادی مساوات، رواداری اور عدل وانصاف کا کوئی تصور موجود ہے۔اور نہ ہی اسلام کے پاس

* ریسرچ اسکالر شعبۂ سنی دینیات - علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جدید دنیا سے ہم آہنگ کوئی ضابطہ زندگی اور طرز معاشرت موجود ہے بلکہ یہ ایک سخت گیر، شدت پسند اور دہشت گرد مذہب ہے ــــ یورپ نے ایک ایسی اصطلاح کو اسلام کے خلاف اپنے گندے پیٹ سے جنم دیا ہے جس کا نام ''دہشت گردی'' ہے۔ اور یہ لفظ اردو زبان میں ''دہشت گردی'' ہندی زبان میں ''آتنک واد'' اور انگریزی میں "Terorism" جو Terors سے بنا ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ جب بھی لفظ یا اصطلاح کا تکرار مسلسل کانوں کی خوراک بن جائے تو وہ لفظ ذہن ودل میں ایک تصویر بنالیتا ہے۔ یہی حال ہم لفظ دہشت گردی، شدت پسندی، انتہا پسندی بنیاد پرستی، کٹر پنتھی کا دیکھ رہے ہیں کہ فرد و جماعت ہو ملک وقوم کے، بچے، جوان، بوڑھے ہوں، تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، ہر ایک کے دل ودماغ میں یہ تمام الفاظ مسلمانوں کے لیے مخصوص ہو گئے ہیں۔ ان الفاظ کہ مغرب نے بین الاقوامی ذرائع ووسائل کے ذریعہ اتنی زیادہ ترویج واشاعت کی کہ پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کا آتش فشاں بن گئی ہے اور لوگ مغرب کے اس جھوٹ کو بھی سچ کی نگاہ دیکھنے لگے ہیں۔ اہل مغرب اسلام کی حق وصداقت پر اس طرح کی نقاب پوشی کرنا چاہتا ہے کہ دنیا اس کے بارے میں سوچنا باعث گناہ سمجھے۔

تمہاری اصطلاح میں ہر وہ شخص دہشتگرد ہے جو ظلم و بربریت کے خلاف برسر پیکار ہو۔ ظالموں۔ غاصبوں کے ظالمانہ وجابرانہ اقدام کی محض مزاحمت ومخالفت کرتے اور وہ اپنے جائز حقوق وتحفظ کی بازیابی کے لیے اگر سرگرم عمل ہے۔ تو اس کو تم دہشت گردوں وتخریب کاروں کے زمرے میں داخل کردیتے ہو۔ اس کے بالمقابل تم اپنی طاقت وقوت واقتدار اور سپر پاور ہونے کی نشہ میں مخمور ہو کر پوری دنیا پر اپنی جبروتیت وقہریت کو برپا کرنا چاہتے ہو۔ اور سبز وشاداب ممالک کو کھنڈر و چٹیل میدان بنانے کا خواب دیکھ رہے ہو۔ تم اپنی طاقت وقوت کا غلط استعمال کر کے دنیا کے امن وامان کو تباہی وبربادی میں تبدیل کردینا، بے قصور معصوم انسانوں کا بہیمانہ قتل کرتے ہو اور منٹوں وسکنڈوں میں ہزاروں لوگوں کو اپنی حیوانیت ودرندگی کا شکار بنالیتے ہو۔ کیا یہ دہشت گردی نہیں ہے۔ تم اپنے ماضی وحال پر نظر ڈالو کہ کس طرح سے غیر اقوام وملل پر سفاکیت بہیمیت کا ننگا ناچ کیا ہے۔ پھر تمہارا یہ راگ الاپنا بند ہو جائے گا'' کہ دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے جب کہ اس کے موجد وبانی تم خود ہو۔ دنیا میں وہ تمام خوبصورت اور حقیقت پسندانہ الفاظ امن وآشتی، حقوق، مساوات، رواداری، انسانیت، محافظ، انصاف، عدل تہذیب وتمدن، نجات دہندہ ان تمام الفاظ کو اپنے منہ سے نکال کر ان الفاظ کی قدر وقیمت کم نہ کرو۔ کیونکہ ماضی وحال میں ان لفظوں پر تم نے چھینٹیں ماردی ہیں ان الفاظ کی روحانیت کو تمہاری سفاکیت وبہیمیت نے چوس لیا ہے۔ حیوانی وشیطانی کردار کے حامل ہوتے ہوئے تم امن وشانتی کے علمبردار اور انسانی محافظ کیسے ہوسکتے ہو۔ آخر یہ دہشت گردی نہیں ہے یا تم دہشت گرد نہیں ہو۔

ان فرعونی وطاغوتی طاقتوں کو اپنی دہشت گردی نظر نہیں آتی۔ لاکھوں معصوم انسانوں کے خون کو چوس کر افغانستان وعراق اور پاکستان میں اپنی فرعونیت کا قلعہ تعمیر کرنے کے خواب دیکھتے ہو، لیکن تمہارا یہ شیطانی خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ غرور وتکبر کی حد کو پار کر کے نعرہ کبر بلند کرنے لگے ہو کہ'' مجھ سے طاقت ور اس دنیا میں کون ہے''

پوری دنیا میں میری حکمرانی ہوگی ،کائنات کا بچہ بچہ میرا غلام ہوگا ہر شعبہ میں میرا حکم نافذ ہوگا۔اپنی طاقت وقوت اور حکومت واقتدار کی ماتحتی قبول کرنے کیلئے پاور کے بل بوتے پر ۱۹۱۶ء سے لیکر اب تک اربوں معصوم انسانوں کو تہہ تیغ اور جسمانی استحصال کر چکے ہو۔اور دنیا پر جنگ وجدال کے مہیب سائے ،لہو آشام عراق وافغانستان دوسرے ممالک میں بمباری، امن وشانتی کے نام پر ظلم وبربریت،حقوق ورواداری کی بازیابی کی جگہ جلتی وتڑپتی لاشیں ،تحفظ کی جگہ لٹتی عصمتیں رحم وکرم کی جگہ بے گناہ معصوم انسانوں پر دہشت گردی کا الزام اور مذہبی آزادی، آزادئ رائے کی جگہ اسلام اور اہل اسلام کو نیست ونابود کردینے کیلئے لامتناہی جدوجہد گویا کہ پوری دنیا میں انسان کو اپنا غلام اور ملکیت سمجھ رکھا اور دنیا میں ظلم وتشدد ،فتنہ وفساد اور بدامنی کی گرم بازاری کرر کھی ہے۔آج تم اپنے آپ کو امن وشانتی ،حقوق انسانی، آزادی حقوق کا سب سے بڑا معلم گردانتے ہو اور انسانیت نوازی وبشر دوستی کا سب سے بڑا آئیڈیل قرار دیتے ہو۔ جب کہ تمہارا ماضی اور حال اب بھی ایک خونی داستان کا گواہ ہے۔تم اپنی طاقت وقوت کے نشہ میں بموں، آتشی میزائیلوں ٹینکوں اور دنیا کے تمام جدید اسلحہ جات سے معصوم انسانوں کو ڈھیر میں تبدیل کر سکتے ہو۔لیکن تاریخ انسانی پر برسنے والی بمباری کے خونی صفحات کو تاریخ سے کیسے مٹا سکتے ہو۔

امریکی تاریخ پر ایک سرسری اور طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے چلیں جس سے ہمیں آج کی انسانیت اور حقوق انسانی کے سب سے بڑے مسیحا کی تاریخ کو سمجھنے کا پورا موقع ملے گا۔انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں تاریخ کو ایسے دلدوز وہیبت ناک مناظر دیکھنے کو ملے جن کی تاریخ کو رقم کرنے میں امریکہ کا اہم کردار رہا ہے۔۱۹۱۶ء میں پہلی جنگ عظیم میں کل ۱۶ اسولہ ممالک نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔صرف ترکی ایسا واحد ملک تھا جس نے اس خونی جنگ سے اپنے آپ کو کنارہ کش رکھا اور اس نے جنگ عظیم کا حلیف بننے سے انکار کردیا۔یہ جنگ سربیا کے ایک قوم پرست اور اسٹریا اور ہینگری کے ولی عہد فرانس فرڈی ننڈ کے قتل سے شروع ہوئی۔۱۹۱۶ء میں شروع ہونے والی پہلی جنگ عظیم نے ۸۵ لاکھ ۲۸ ہزار ۸۰۰ سے زیادہ انسانی جانوں کو لقمہ تر بنالیا۔۱۹۱۸ء میں یہ جنگ اپنے اختتام پر پہنچی۔۱۹۳۹ء میں شروع ہونے والی دوسری جنگ عظیم میں کل ۲۷ ممالک نے حصہ لیا اور یہ سب کے سب غیر مسلم تھے اور اسی دوران انسانیت سوز سانحہ ہیروشیما بھی دیکھنے میں آیا۔جس میں موجود دور کے حقوق انسانی اور امن وشانتی پھیلانے کے سب سے بڑے مسیحا امریکہ نے ایک ایٹم بم کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کو سوختہ کرڈالا۔اور اس ملک کی آب وہوا کو مسموم وپرگندہ بناڈالا۔ جہاں کی فضا پر اب بھی موت کا سناٹا چھایا ہوا ہے۔جہاں ماہرین سائنس جاکر اب بھی تجربہ کرتے ہیں کہ یہ شہر کب اپنی سابقہ حالت پر لوٹ سکے گا۔بات اسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ تین دن کے وقفہ سے ۹ اگست ۱۹۴۵ء کو ایک اور ایٹم بم جاپان کے شہر ناگاساکی پر گرادیا اور آن کی آن میں ۲۸ ہزار سے زائد انسانوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بناڈالا۔اور دوسری جنگ عظیم میں ۴۹ لاکھ ۴۰ ہزار انسان موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔۱۹۴۵ء میں ہی چین پر ڈھائی سو جنگی طیاروں کی مدد سے دو لاکھ پونڈ بارود برسا کر موت کا رقص عام کیا۔اسی طرح سے وقفہ وقفہ سے مختلف ممالک

امریکی جارحیت و درندگی کا نشانہ بنتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں امریکہ نے کوریا پر چڑھائی کردی ۱۹۵۴ء میں کیوبا میں۔ ۱۹۶۴ء میں امریکہ و ویتنام کی جنگ نے ۴۵ ہزار سے زائد لوگوں کو موت کی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اس جنگ کا ایندھن بننے والوں میں بڑی تعداد عورتوں اور بچوں کی تھی جو یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا جرم کیا ہے۔ کس جرم کی پاداش میں انہیں موت کی نیند سلایا جا رہا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں پیرو اور ۱۹۷۳ء لاوس میں ۱۹۷۵ء میں ویتنام میں ۱۹۸۷ء میں گرینیڈا ۱۹۸۴ء میں لبنان میں ۱۹۸۹ء میں پناما میں ۱۹۹۱ء میں عراق میں ۱۹۹۸ میں سوڈان میں اور ۱۹۹۹ء میں یوگوسلاویہ میں۔ ان تمام خونی جنگوں کے بعد سوچا جانے لگا کہ شاید اب امریکی انسانیت جاگ اٹھی ہو۔ اس کا نعرہ امن حقیقت میں تبدیل ہو جائے اور دنیا امن و شانتی کا گہوارہ بن جائے۔ امن و امان کا بول بالا ہو جائے۔ لیکن ضمیر فروش اور مردہ دل کے جسم میں انسانیت تھی ہی کہاں کہ جاگتی کیونکہ وہ تو خون چوسنے کا عادی ہو گیا تھا۔ بالآخر پھر اس نے ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان و عراق میں اپنی درندگی و سفاکیت اور حیوانیت و بہیمیت کا ایسا ننگا کھیل کھیلا کہ روئے زمین تھرا اٹھی لیکن اس کا ضمیر نہیں جاگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ دہشت گرد تم ہو نہ کہ مسلمان، دہشت گردی تم پھیلاتے ہو نہ کہ مسلمان، قتل و خون ریزی تمہارا پیشہ ہے نہ کہ مسلمانوں کا، دنیا کے امن و امان میں بدامنی کی فضا تم بناتے، بدامنی کا ماحول تم سازگار کرتے ہو نہ کہ مسلمان، درندگی و سفاکیت اور بہیمیت و سبعیت کا مظاہرہ تم کرتے ہو نہ کہ مسلمان، حقوق انسانی پر ڈاکہ تم ڈالتے ہو نہ کہ مسلمان، عدل و انصاف کا گلہ تم گھونٹتے ہو نہ کہ مسلمان، مذکورہ ممالک و ریاستوں میں معصوموں کے قاتل تم ہو نہ کہ مسلمان، پوری دنیا میں جابرانہ نظام کے قیام کی جدوجہد تم کر رہے ہو نہ کہ مسلمان، تم ایک ایسے نظام کے قائل ہو جس میں کمزور و ناتوں لوگوں کی حصہ داری نہ ہو بلکہ طاقت و قوت کی حکمرانی ہو۔

ہم دنیائے انسانی کو اپنی زبان و بیان اور تحریر و قلم کے ذریعہ یہ بتا دیں کہ اسلام ایک سراپا دین و سلامتی کا دین ہے۔ بدامنی فتنہ و فساد، خوں ریزی و غارتگری اور دہشت گردی سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان تو ایک امن پسند اور ہمدرد و خیر خواہ قوم و ملت کا نام ہے۔ دین اسلام کی درخشاں تعلیمات نے جس طرح ماضی میں فرد و جماعت اقوام و ملل اور ملک و قوم کی ترقی میں تعمیری و اصلاحی انقلاب برپا کیا تھا۔ آج کے بدلے ہوئے حالات میں بدامنی و تخریب کاری اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنے معاشرے میں بھی دین اسلام کی تعلیمات مفید اور معنی خیز ہوں گی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی تعمیر نو کے لیے سیکڑوں جماعتوں نے تجربات کی دنیا میں غوطہ لگایا ہے لیکن نتیجہ آپ حضرات کے سامنے ہے۔ اور یہ بات تو مسلم ہے کہ ماضی کی طرح حال میں بھی تعلیمات اسلام کو تجربات کی دنیا میں بروئے کار لا کر ہی امن و آشتی۔ حقوق انسانی مساوات و رواداری اور عدل و انصاف کی پیاسی انسانیت کو سیرابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اس دور کے اہم چیلنج کے لیے نسخہ شفا قرار پا سکتا ہے۔ جس کے ذریعہ ایک مرتبہ پھر خرمن انسانیت میں امن و امان صلح و آشتی، عدل و انصاف اور مساوات و رواداری کی بہار آ سکتی ہے جب ہی پوری دنیا حقیقی امن و سلامتی اور سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

مولانا مفتی محمد جعفر رحمانی
دارالافتاء: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندر بار مہاراشٹر

سروگیٹ پریگنسی (Surrogate Pregnancy)

یعنی رحم مادر کو کرایہ پر دینے کا حکم شرعی

اصول وضوابط کی بے قاعدگیوں، سستی طبی نگہداشت، اور معاشی پریشانیوں کے سبب، اپنا رحم کرایہ پر دینے والی خواتین کی بآسانی دستیابی کی وجہ سے، آج ہمارے ملک ہندوستان میں سروگیٹ پریگنسی (Surregate Pregnancy) یعنی رحمِ مادر کرایہ پر دینے کی تجارت بڑی تیزی سے پھل پھول رہی ہے، بیرون ہند کے بہت سے لوگ اس تجارت سے فائدہ اٹھانے کیلئے ہندوستان کا رخ کررہے ہیں، ہمارے ملک ہندوستان میں رحم مادر کو تجارتی مقصد کیلئے کرایہ پر دینے کے جواز کو، ۲۰۰۳ء سے قانونی حیثیت حاصل ہے۔

ہندوستان کے متوسط طبقہ کی خواتین کو کبھی اپنے خاندان کو بہتر معیار زندگی فراہم کرنے، کبھی کار خریدنے، کبھی مکان بنانے، کبھی اپنے گھر کی اندرونی سجاوٹ کیلئے، رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ مجبور و بے بس ہوتی ہیں تو اپنے رحم کو کسی اور مرد کے نطفہ کی نشو ونما کیلئے اپنے رحم کو کرایہ پر دے کر رقم حاصل کرتی ہیں، فقہ اسلامی کے ذخیرہ میں اس طرح کے عقدِ اجارہ (Wage contract) کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ جدید میڈیکل ترقی، مادہ پرست ذہنیت اور کسی بھی طرح حصولِ زر کی خواہش، کی دَین وتحفہ ہے، لیکن شریعت اسلامیہ نے کچھ ایسے رہنما اصول وقواعد بیان کئے ہیں، جن کی روشنی میں اس صورت کا حکم متعین کیا جاسکتا ہے۔

عقدِ اجارہ (Wage contract) کی یہ صورت درج ذیل وجوہات کی بناء پر سراسر تعلیمات اسلام کے خلاف ہے:

۱۔ اس میں ایک جوڑے کا مادہ منویہ (Seed,Semen) کسی دوسری عورت کے رحم میں داخل کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اختلاط نسب ہوتا ہے، جبکہ شرع اسلامی نے نسب کے معاملہ میں بڑی احتیاط کی تعلیم دی ہے، منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر سے نکاح کی حرمت کی اصل علت ووجہ بھی یہی ''عدم اختلاط نسب'' ہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يسقي ماءه ولد غيره .

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، تو اس کا پانی دوسرے کے بچہ کو سیراب نہ کرے۔

(السنن للترمذی: ۱/۲۱۴، کتاب النکاح، السنن الکبری للبیہقی: ۹/۱۰۵)

۲۔ جس جوڑے کا مادہ منویہ کسی اور عورت کے رحم میں ڈالا جارہا ہے، اسے جلق، یعنی ہاتھ کے ذریعہ اپنے مادہ کو

نکالنا ہوتا ہے، جو شرعاً حرام ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ناكح اليد ملعون . ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے۔(فتح القدیر:۲/۳۴۴)

۳ - اس صورت میں اجارۃ المنافع برائے معصیت لازم آتا ہے، جو شرعاً منع ہے۔

لايجوز الإستيجار على الغناء والنوح وكذا سائر الملاهي لأنه استيجار على المعصية، والمعصية لايستحق العقد . (هدايه: ۳/۳۰۲)

گانا گانے، نوحہ و ماتم کرنے، اور تمام لہو ولعب کے کاموں پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ یہ معصیت ونافرمانی کے کاموں پر اجرت لینا ہے، جبکہ معصیت مستحق عقد ہی نہیں۔

۴ - اس صورت میں اس بارے میں بھی شدید اختلاف ہوگا، کہ اس بچہ کی ماں کس کو قرار دیا جائے، آیا اس عورت کو جس کا ''بیضۃ المنی'' ہے، یا اس عورت کو جس کا رحم کرایہ پر لے کر اس میں جنین کی پرورش کی گئی۔

جس عورت کا بیضۃ المنی لیا گیا، اس بچہ کا اس کا جز ہونا، اور عربی زبان میں ماں کو ام بمعنی جڑ سے تعبیر کرنا، دونوں اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ماں وہی عورت ہے جس کے بیضۃ المنی سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے۔

جبکہ قرآن کریم کی ان آیات: والله أخرجكم من بطون أمهاتكم لاتعلمون شيئاً .

اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔(سورۃ النحل:۷۸)

إن امهاتهم الا اللائی ولدنهم . ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے۔(سورۃ المجادلۃ:۲)

اور حملته امه كرها ووضعته كرها . ___ اسکی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا، اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا۔(سورۃ الاحقاف:۱۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں وہ عورت ہے جس کے رحم میں اس بچہ نے پرورش پائی، اور جس سے اس کی ولادت ہوئی۔ ___ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سروگیٹ پریگنسی (Surregate Pregnancy) سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں: وہ اجنبیہ عورت جس کے رحم میں انجیکشن سے شوہر کے علاوہ کسی مرد کا مادۂ منویہ پہونچایا گیا ہو، وہ عورت عقل سلیم کے نزدیک مزنیہ اور طوائف سے بھی زیادہ فاحشہ قرار پائے گی، اور اسکی شناعت عقل سلیم کے نزدیک زناء ولواطت سے بھی زیادہ قبیح و مذموم ہوگی، اور صورت تو اضطرار کی ہے نہیں، اسلئے اسکی بھی اجازت ہرگز نہ ہوگی۔ (نظام الفتاوی:۱/۳۳۹)

غرض یہ کہ سروگیٹ پریگنسی (Surregate Pregnancy) یعنی اجارۃ الرحم بہت سے مفاسد دینیہ وشرعیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے شرعاً ناجائز وحرام ہے، کیوں کہ شریعت کا مزاج ومذاق یہ ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے اولی ہے۔___ درء المفاسد أولى من جلب المنافع . (قواعد الفقه: ۸۱، رقم القاعدة: ۱۳۳)

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگانی میں اولاد ہی سب کچھ ہو، ایسا نہیں ہے، انسان کو چاہیئے کہ اولاد نہ ہونے پر

صبر سے کام لے، اللہ رب العزت کے سامنے آہ وزاری کے ساتھ دعا کرے، اور ذکر واستغفار کی کثرت رکھے، اگر اس کی مصلحت وحکمت ہو تو وہ ضرور اولاد سے نوازے گا۔

کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **فقلت استغفروا ربکم إنه کان غفاراً، یرسل السماء علیکم مدراراً، ویمددکم بأموال وبنین، ویجعل لکم جنات ، ویجعل لکم أنهاراً** .(سورۃ النوح: ۱۰/۱۱/۱۲)

اور میں نے کہا کہ تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ، بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا، اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا، اور تمہارے لئے باغ لگادے گا، اور تمہارے لئے نہریں بہادیگا (سورۃ النوح: ۱۰/۱۱/۱۲)

حسن بن علی کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا میں فقیر ہوں، آپ اللہ تعالی سے میرے لئے رزق کی دعا کر دیجئے، تو آپ نے فرمایا: **علیک الاستغفار** . تم استغفار کو لازم پکڑو۔ پھر ایک دوسرا شخص حاضر خدمت ہوا، اور عرض کیا کہ میں بے اولاد ہوں، آپ میرے لئے اولاد کی دعا کر دیجئے، تو آپ نے اس سے فرمایا: **علیک الاستغفار** . تم استغفار کو لازم پکڑو۔ جب دونوں سائلین رخصت ہوئے تو آپکے تلامذہ نے آپکے اس جواب کی وجہ دریافت کی، تو آپ نے جواب میں قرآن کریم کی یہی آیت تلاوت فرمائی: **فقلت استغفروا ربکم إنه کان غفاراً، یرسل السماء علیکم مدراراً، ویمددکم بأموال وبنین، ویجعل لکم جنات، ویجعل لکم أنهارا** (سورۃ النوح: ۱۰/۱۱/۱۲) بعض لوگ اولاد کی خواہش محض اس لئے رکھتے ہیں کہ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کا ذکر باقی رہے گا، جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ بہت سے لوگ اس دارِ فانی سے اس حال میں چل بسے کہ ان کی بہت سی اولاد بھی تھی، مگر آج ان کا کوئی نام لیوا نہیں ہے، اور بہت سے لوگ اس حال میں رخصت ہوئے کہ ان کی کوئی صلبی اولاد نہیں تھی، مگر فکری اولاد کی وجہ سے آج بھی ان کا ذکرِ خیر اس جہانِ رنگ وبو میں باقی ہے۔

امام طبری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اور علامہ نووی رحمہم اللہ تعالی، ان حضرات نے شادی ہی نہیں کی، جبکہ امام مسلم نے شادی تو کی تھی مگر ان کو کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی، لیکن اس کے باوجود بھی آج ان نفوسِ قدسیہ کا نام زندہ وپائندہ ہے۔

(www.alminhaj.net/makal.php?linkid=577)

ماضی قریب کے ہمارے اکابر علماء میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی رحمہم اللہ تعالی، وغیرہ کی بھی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، پھر بھی مسلمانانِ ہند کے درمیان ان حضرات کے نامہائے مبارک وذکر خیر باقی ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ انسان کو قضاء وقدر پر راضی رہنا، اور جائز حدود میں رہتے ہوئے ہی حصولِ اولاد کیلئے تدبیر اختیار کرنا چاہیئے، غلط اور ناجائز طریقوں سے اولاد کو حاصل کرنے کی ہرگز کوشش نہ کیجائے، کیونکہ جو چیز غلط وناجائز طریقہ پر حاصل ہوتی ہے، اس میں خیر ونفع کی امید نہیں ہوتی۔ **اللھم أرنا الحق حقاً، وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً، وارزقنا اجتنابه . آمین**

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب وروز

دارالعلوم میں پانچ ماہی امتحانات میں پوزیشن حاصل کرنے والوں میں تقسیم انعامات:

۲۲راپریل بروز ہفتہ اور جمعرات دارالعلوم حقانیہ کے پانچ ماہی امتحانات کے نتائج اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والوں کوانعامات دینے کے لئے ایوان شریعت ہال میں پروقار تقریب زیر صدارت حضرت مولانا سمیع الحق صاحب‘ مہتمم جامعہ حقانیہ منعقد ہوئی۔تقریب کی ابتداء ختمات قرآن اور خصوصاً ختم بخاری سے کی گئی‘ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے خطاب کے بعد حضرت مولانا محمد انوار الحق صاحب‘ نائب مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ نے امتحانی نظام اور امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والوں کے انتخاب کے طریق کار پر حاضرین مجلس کواپنے بیان سے نوازا۔ بعد میں انعامات کی تقسیم حضرت مولانا اشرف علی مدظلہ جانشین شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ جو اتفاقاً تشریف لائے تھے‘ کے ہاتھوں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کوانعامات دیئے ترتیب درجہ وار حسب ذیل ہے:

نام بمعہ ولدیت	شعبہ حفظ	پوزیشن	نام بمعہ ولدیت	شعبہ اعدادیہ	پوزیشن
احسان اللہ بن دوست محمد	شعبہ حفظ	اول	ہدایت اللہ بن شیر محمد	شعبہ اعدادیہ	اول
محمد دین بن عالم دین	شعبہ حفظ	دوم	عبدالرحمٰن بن صورت گل	شعبہ اعدادیہ	دوم
سغت اللہ بن تاج محمد	شعبہ حفظ	سوم	سید نور بن گل محمد	شعبہ اعدادیہ	سوم
احمد فاران بن حکیم خان	متوسطہ	اول	عمران علی بن عبدالرحیم	اولی	اول
طاہر حسین بن حسین خان	متوسطہ	دوم	اللہ یار بن سید مرجان	اولی	دوم
حمیداللہ بن میوہ گل	متوسطہ	سوم	اختر زیب بن کفایت اللہ	اولی	سوم
جلیل احمد بن گل دراز	ثانیہ	اول	کلیم اللہ بن دین محمد	ثالثہ	اول
شبیرالرحمٰن بن سلمان شاہ	ثانیہ	دوم	سعیدالرحمٰن بن نواب خان	ثالثہ	دوم
روح اللہ بن عبدالرحمٰن	ثانیہ	سوم	کلیم اللہ بن حافظ شوکت علی	ثالثہ	سوم
محمد اسحاق بن میاں رسول	رابعہ	اول	فضل قدوس بن فضل معبود	خامسہ	اول
محمد ادریس بن عبدالودود	رابعہ	دوم	عبدالرحمٰن بن عبدالقیوم	خامسہ	دوم
نبی امین بن آئین خان	رابعہ	سوم	عزیز اللہ بن زرولی خان	خامسہ	سوم
نقیب اللہ بن زید اللہ	رابعہ	سوم	محمد جنید بن احسان الدین	تکمیل	اول

محمد بلال بن میر سید علی	سادسہ	اول	عصمت اللہ بن غلام محمد	تکمیل	دوم
ابرار الدین بن قلم دین	سادسہ	دوم	سعید الرحیم بن سعید الحمید	تکمیل	سوم
عنوان اللہ بن زر آمان خان	سادسہ	سوم	محمد طاہر بن عبد الجلیل	دورہ حدیث	اول
منصور اللہ بن مولانا مغفور اللہ	موقوف علیہ	اول	طیب الرحمٰن بن محمد ظفر	دورہ حدیث	دوم
ریاض الرحمٰن بن نور الرحمٰن	موقوف علیہ	دوم	علی الرحمٰن بن حمید الرحمٰن	دورہ حدیث	سوم
شاہ منصور بن محمد نعیم	موقوف علیہ	سوم	مسعود احمد بن منارس خان	تخصص فی الحدیث	اول
عطاء الرحمٰن بن عبد المنان	موقوف علیہ	سوم	امتیاز علی بن خان ترین	تخصص فی الحدیث	دوم
کفیل احمد بن عبد الحکیم	تخصص فی الفقہ	اول	محمد منظور بن صالح محمود	تخصص فی الحدیث	سوم
شکیل احمد بن نثار احمد	تخصص فی الفقہ	دوم	فضل قیوم بن عبد الجبار	تخصص فی الحدیث	سوم
محمد نعمان بن عبد الحمید	تخصص فی الفقہ	سوم	صہیب فضل بن فضل محمود	کمپیوٹر	اول
راحت نیاز بن سلیم خان	کمپیوٹر	دوم	راشد احمد بن میر حسن	کمپیوٹر	سوم

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے اسفار و ڈاکٹر اسرار احمدؒ اور خواجہ امان اللہؒ لاہور کی تعزیت:

حضرت مولانا مدظلہ لاہور جامعہ اشرفیہ میں علماء دیوبند کے تاریخی اجتماع میں شریک ہوئے۔ ۱۳۔۱۴ اپریل کو خصوصی میٹنگ اور ۱۵۔۱۶ اپریل کو عمومی نشستیں رہیں۔ مولانا مدظلہ نے ملک کے بعض حساس معاملات میں اعتدال اور توازن پر مبنی اپنی رائے پیش کی جو شریک اشاعت بھی ہے اس سے قبل مولانا مدظلہ نے معروف سکالر اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے جنازہ میں شرکت کی اس دوران ملک کے ایک مخلص دردمند صاحب خیر خواجہ امان اللہ صاحبؒ داؤد کارپوریشن لاہور کا سانحہ وفات بھی پیش آیا جس کے مولانا مدظلہ اور دار العلوم حقانیہ کے ساتھ دیرینہ مخلصانہ روابط تھے' مولانا مدظلہ نے ان کی تعزیت وایصال ثواب میں شرکت کی اور ان کے صاحبزادگان خواجہ عثمان خواجہ حسان وغیرہ سے اظہار تعزیت کیا۔ ۱۶ اپریل کو عشاء کے بعد مولانا مدظلہ نے ڈسکہ میں مشہور بزرگ عالم دین مولانا فیروز خانؒ کی یاد میں منعقدہ تعزیتی ریفرنس میں شرکت اور مولاناؒ کے عظیم خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

زعماء جمعیت علماء اسلام کا دورہ بلوچستان:

جمعیت علماء اسلام کے سرکردہ رہنماؤں نے کلاچی' ڈیرہ اسماعیل خان' اور بلوچستان کے اہم اضلاع کا تفصیلی دورہ کیا۔ اور مختلف تقریبات میں شرکت کی۔ وفد کی قیادت حضرت مولانا حامد الحق حقانی صاحب نے کی۔ ان کے ہمراہ حضرت مولانا سید محمد یوسف شاہ صاحب' مولانا انوار اللہ باچا' صوبہ بلوچستان کے صوبائی امیر مولانا محمد رحیم جوگیزئی' صوبائی جنرل سیکرٹری مفتی عبد الباقی' حاجی محمد شاہ مردانزئی' مولانا محمد شفیق دولت زئی' مولانا فتح محمد چمنی' عبد القیوم میرزئی' نجم الدین درویش' مولانا فدا محمد' مولانا سید ابراہیم شاہ' حافظ محمد قاسم' مولانا عبد الحلیم اور دیگر علماء کثیر تعداد میں ہمراہ تھے۔

ادارہ

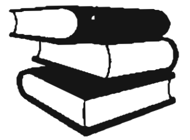

تعارف تبصرہ کتب

کتاب ہدایۃ الساری الی دراسۃ البخاری مصنف: حضرت مولانا امداد الحق

قیمت: درج نہیں ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

کتب احادیث میں امام محمد بن اسماعیل البخاری کی کتاب الجامع الصحیح کو اللہ تعالیٰ نے ایک بلند مقام عطا فرمایا ہے' اہل علم کے ہاں اس کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے لے کر آج تک مختلف زبانوں میں طویل اور مختصر شروحات لکھے گئے' تعلیقات' حواشی اور تراجم بخاری پر بھی ارباب علم وکمال نے سیر حاصل ابحاث کیئے ہیں۔ حضرت العلامہ مولانا امداد الحق صاحب زید مجدہم کی کتاب ہدایۃ الساری الی دراسۃ البخاری جو دراصل صحیح بخاری کی شرح کا مقدمہ ہے' بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مولانا مدظلہ کی یہ مایہ ناز تصنیف دو اجزاء پر مشتمل ہے' پہلے جزء میں علامہ صاحب نے الفوائد کے تحت اسلام کے مبادی اور اصلو کے متعلقات مثلاً وجود باری تعالیٰ' مصادر اسلام' وجود وحی والہام' صفات وخصائص نبوۃ' خصائص ومحاسن اسلام' جامعیت قرآن کریم' قرآں وسنت میں ربط' صفات صحابہ' معجزات اسباب اختلاف' حجت حدیث' کتاب حدیث' امام اعظم امام ابوحنیفہ کا تذکرہ البرہان فی تذکرۃ الامام الاعظم ابوحنیفہ النعمان جیسے عناوین پر سیر حاصل بحث کی ہے اور جزء ثانی میں امام محمد بن اسماعیل البخاری کے حالات زندگی شروط بخاری اور جامع صحیح بخاری کے متعلق تفصیلی بحث کے علاوہ' حدیث کی لغوی واصطلاحی تحقیق' اقسام تواتر' روایت بالمعنی کے جواز' وضع حدیث کی معرفت' اسکا حکم اور کچھ وضاعین کے احوال طلب حدیث کے آداب' شیخ الحدیث کے آداب کو بھی الفوائد کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے۔ اور بعض اصولی وفروعی مسائل مثلاً تحقیق مناط' تخریج مناط' تنقیح مناط' اخبار احادیث کتاب اللہ پر زیادہ قول مرجوع پر عمل اور مخالف مذہب امام کی اقتداء میں نماز پر کو بھی بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔

تو یہ کتاب علم وحدیث کے طالب علم کیلئے یہ اہم اور ضروری معلومات پر مشتمل ہے' ارباب زمزم پبلشرز کراچی کو اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطاء فرمائیں کہ انہوں نے مختصر عرصہ انتہائی مفید' جلیل القدر کتابوں کی اشاعت کی اور تشنگان علوم دینیہ کے لئے علمی پیاس بجانے کا سامان مہیا کیا۔

کتاب معجم الفاظ الجرح والتعدیل تالیف: سید عبدالماجد الغوری

قیمت: ۲۲۵ روپے ناشر: زمزم پبلشرز کراچی

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ہے: **لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء** اگر استادنہ ہوتو جس کے جو جی میں آتا وہ کہہ گزرتا اور حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب کر لیتا' اسلئے امت مسلمہ نے حضور اقدس ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریرات کو سند کے ساتھ نقل کیا تاکہ کوئی بے اصل اور بے بنیاد بات آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو' سلسلہ سند کو پرکھنے کیلئے ناقلین حدیث ثقات وضعف کو واضح کرنے کیلئے علم جرح وتعدیل کورواج دیا گیا۔ اور لاوی مرتبہ جرح وتعدیل کیلئے مختلف الفاظ استعمال کئے گئے۔ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی پہلے آدمی ہیں۔ جنہوں نے جرح وتعدیل کے الفاظ کو مراتب پر تقسیم کیا۔ آپ کے بعد حافظ ابن صلاح شہرزوری اور اسکے بعد حافظ شمس الدین ذہبی اور پھر حافظ زین الدین العراقی' پھر حافظ عراقی کے شاگرد حافظ ابن حجر عسقلانی اور بعد ازاں علامہ عبدالرحمٰن سخاویؒ نے الفاظ جرح وتعدیل کو مراکب عبدالماجد الغوری نے الفاظ جرح وتعدیل کو حروف ہجاء کی ترتیب پر جمع کیا اور ہر ہر لفظ تعریف ومرتبہ اور حکم بیان کیا ہے اور ابتداء کتاب میں علم جرح وتعدیل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف قرآن وسنت جرح وتعدیل کی مشروعیت' شروح جارح ودعل' کتب جرح وتعدیل اور مذکورہ بالا ائمہ جرح وتعدیل کی مختصر حالات زندگی ذکر کی ہے' ارباب زمزم پبلشرز کراچی نے اس بیش قیمت ذخیرہ علم کو اعلیٰ کاغذ اور بہترین طباعت کیساتھ شائع کیا' طالبان علم حدیث کیلئے' بہترین سوغات اور ہر کتب خانے کی زینت ہے۔

نام کتاب: حضرت مدنیؒ (شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی کا مختصر تذکرہ

مؤلف: مولانا محمد عبداللہ صاحب' مہتمم مدرسہ دارالہدیٰ وجامعہ قادریہ بھکر

صفحات: ۱۱۲ قیمت: درج نہیں ناشر: شعبہ تحقیق وتصنیف جامع قادریہ بھکر

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی شخصیت صفات کمالات خدمات اور سوانح عمری پر آپکے تلامذہ اور عقیدت مندوں نے مختلف چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں میں آپکا تذکرہ خود ان تصانیف کیلئے سبب افتخار ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے کہ: **ماان مدحت محمداً بمقالتی لکن مدحت مقالتی بمحمدا** حضرت مولانا عبداللہ صاحب' مہتمم مدرسہ دارالہدیٰ وجامعہ قادریہ بھکر نے حضرت شیخ الاسلامؒ کی سوانح عمری پر ایک جامع مقالہ تحریر کیا جس میں حضرت مدنی رحمۃ اپنے اکابر اور معاصرین کی نظر میں خصوصیت کے ساتھ ذکر ہے۔ یہ کتاب دراصل حضرت شیخ الاسلام کی یاد میں ایک سیمنار کے لئے لکھی گئی ہے جو اب کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی اس کاوش کو قبول فرمائیں آمین۔ جامعہ قادریہ بھکر کے شعبہ تحقیق وتصنیف نے عمدہ کاغذ اور بہترین ڈائی دار جلد کیساتھ شائع کیا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴۲ پر)

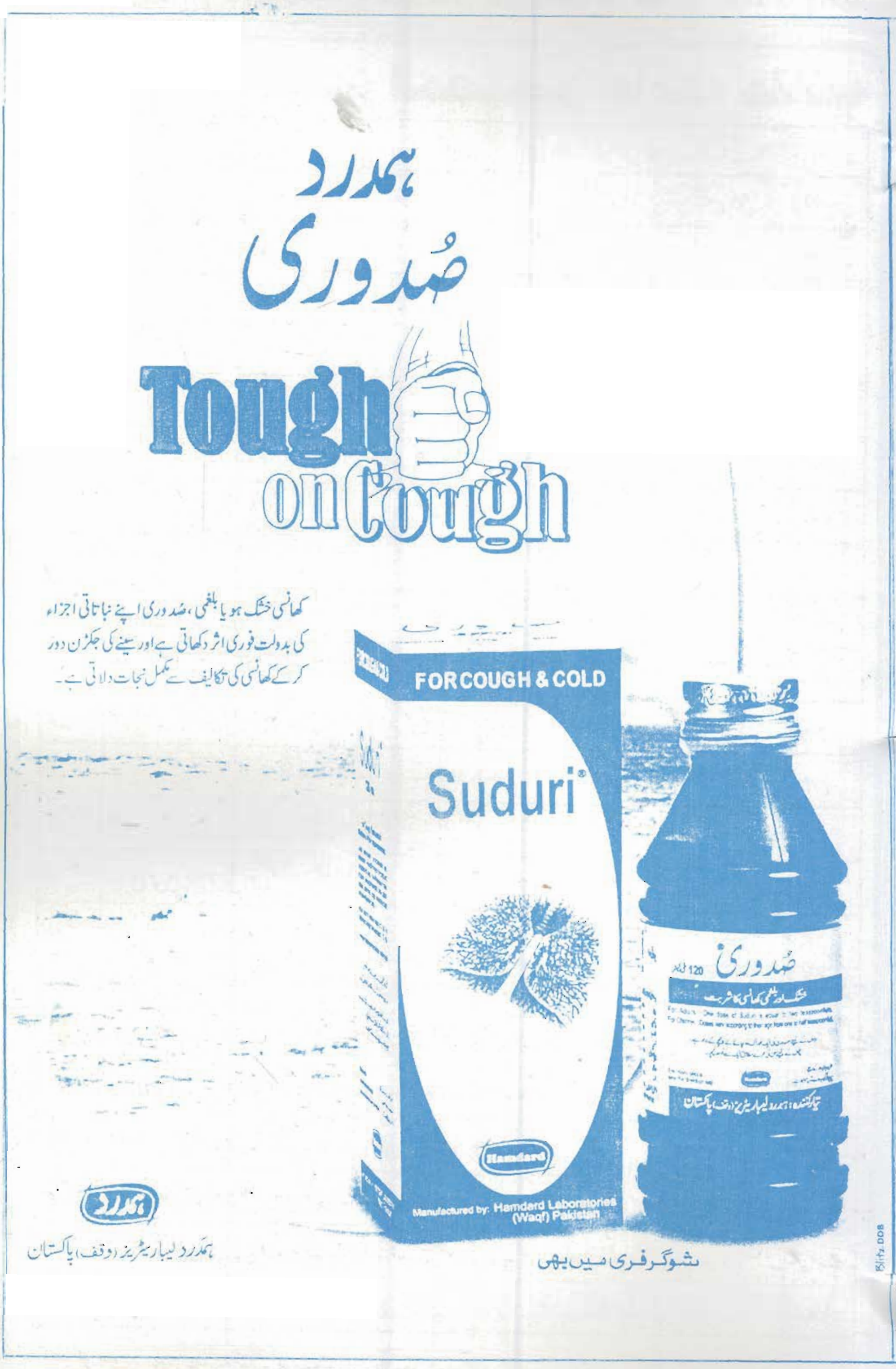

ہمدرد
صُدوری
Tough on Cough
کھانسی خشک ہو یا بلغمی، صُدوری اپنے نباتاتی اجزاء
کی بدولت فوری اثر دکھاتی ہے اور سینے کی جکڑن دور
کر کے کھانسی کی تکالیف سے مکمل نجات دلاتی ہے۔
FOR COUGH & COLD
Suduri®
Manufactured by: Hamdard Laboratories (Waqf) Pakistan
صُدوری
ہمدرد
ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان
شوگر فری میں بھی

Regd No. P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

مطبوعات مؤتمر المصنفین جامعہ حقانیہ

نمبرشمار	نام کتاب	تصنیف	افادات	صفحات
۱	حقائق السنن شرح جامع السنن للترمذی	حضرت مولانا سمیع الحق	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق	۵۳۶
۲۔	دعواتِ حق۔ (مکمل دو جلد)	" " "	" " " " "	۱۱۹۲
۳۔	قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ	" " "	" " " " "	۴۰۰
۴۔	عبادات و عبدیت	" " "	" " " " "	۸۸
۵۔	مسئلہ خلافت و شہادت	" " "	" " " " "	۱۰۴
۶۔	صحبتے با اہل حق (مجلد)	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۴۰۸
۷۔	اسلام اور عصر حاضر (مجلد)	حضرت مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۶۰
۸۔	قرآن حکیم اور تعمیر اخلاق	" " "	" " " " "	۹۶
۹۔	کاروان آخرت (مجلد)	" " "	" " " " "	۴۴۶
۱۰	شیخ الحدیث مولانا عبدالحق خصوصی نمبر	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۱۲۰۰
۱۱۔	قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف	حضرت مولانا سمیع الحق	" " " " "	۲۰۸
۱۲	قادیان سے اسرائیل تک	" " "	" " " " "	۲۲۴
۱۳۔	قومی اور ملی مسائل پر جمعیت کا موقف	" " "	" " " " "	۔
۱۴۔	میری علمی اور مطالعاتی زندگی (مجلد)	" " "	" " " " "	۵۶۰
۱۵۔	ردی الحاد	" " "	" " " " "	۲۲۰
۱۶۔	فتاوی حقانیہ	مولانا مفتی مختار اللہ	حضرت شیخ الحدیث و مفتیان حقانیہ	۳۶۰۰
۱۷۔	خطبات حق	" " "	حضرت مولانا سمیع الحق	۴۵۰
۱۸	نظام اکل و شرب	" " "	" " " " "	۴۵۰
۱۹۔	صلیبی دہشت گردی اور عالم اسلام	مولانا عبدالقیوم حقانی	" " " " "	۵۰۰
۲۰۔	زین المحافل (شرح شمائل ترمذی) جلد دو	مولانا اصلاح الدین	" " " " "	۱۰۵۵
۲۱	مروجہ کرنسی کیلئے معیار نصاب سونا یا چاندی	مولانا مفتی مختار اللہ	مولانا مفتی مختار اللہ	۱۰۰
۲۲	انوارِ حق (جلد اول)	حافظ سلمان الحق حقانی	حضرت مولانا انوار الحق حقانی	۲۶۰

مؤتمر المصنفین ٥ جامعہ دار العلوم حقانیہ ٥ اکوڑہ خٹک